احمدی نوجوانوں کیلئے
ماہنامہ
# خالد
ربوہ

جولائی ۱۹۹۸ء

ایڈیٹر
سید مبشر احمد ایاز



کَانَ اللّٰہُ مَعَکُمْ حَیْثُ مَا کُنْتُمْ

وہ جس پہ رات ستارے لئے اُترتی ہے
وہ ایک شخص دُعا ہی دُعا ہمارے لئے

وہ نُور نُور دمکتا ہوا سا اک چہرہ
وہ آئینوں میں حیا ہی حیا ہمارے لئے

دِیئے جلائے ہوئے ساتھ ساتھ رہتی ہے
تمہاری یاد تمہاری دُعا ہمارے لئے
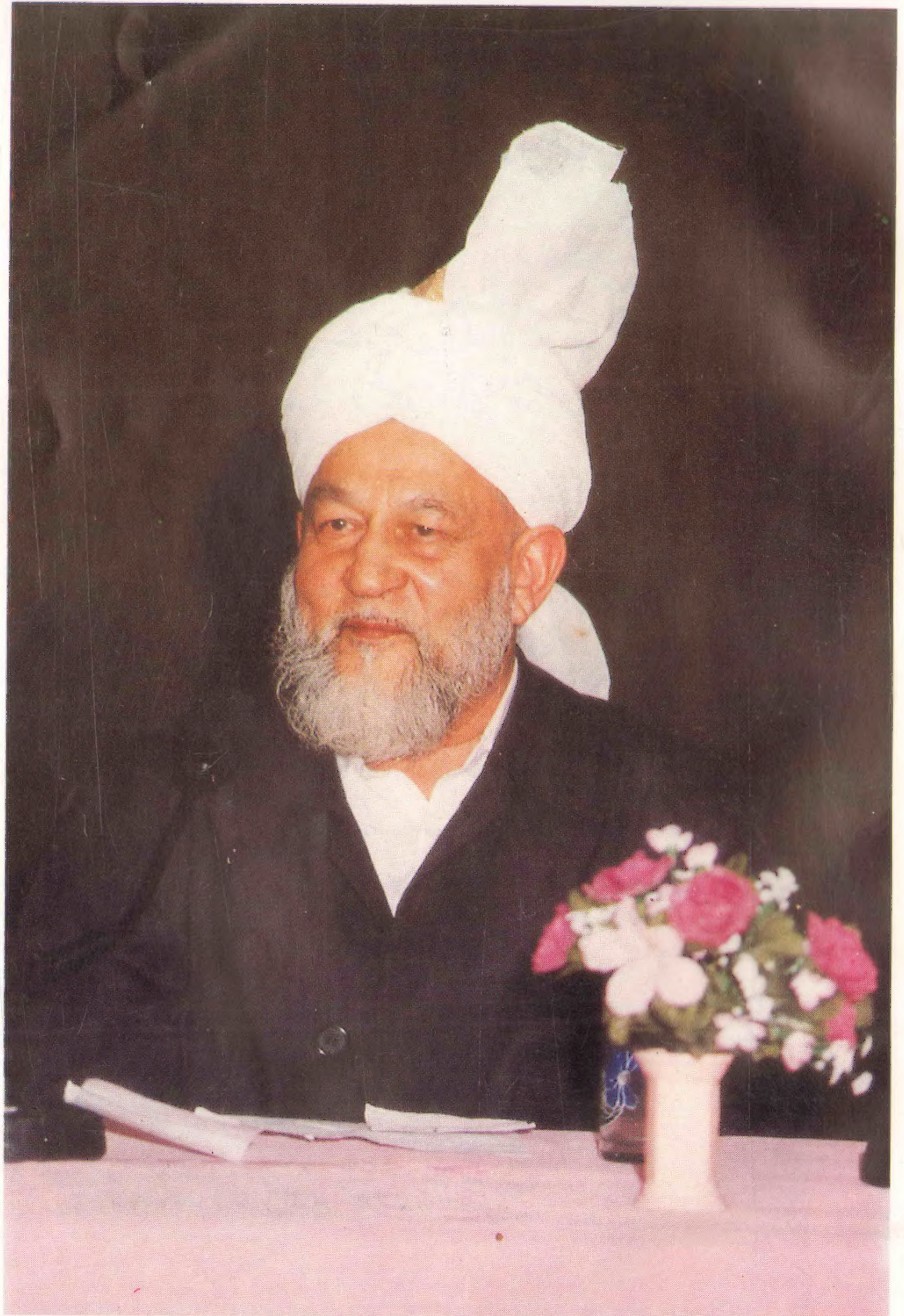
حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز۔ امام جماعتِ احمدیہ عالمگیر

# ناگاہ تیری یاد نے یُوں دِل کو بھر دیا



سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کا تازہ منظوم کلام

دن آج کب ڈھلے گا۔ کب ہوگا ظہورِ شب
ہم کب کریں گے چاک گریباں۔ حضورِ شب

آہ و بکا پہ پہرے ہیں۔ دل میں فغاں ہے بند
اے رات آ بھی جا۔ کہ رہا ہوں طیورِ شب

ہوش و حواس گُم تھے۔ کیسے تابِ دید تھی
جب جگمگا رہا تھا بَرقِ تجلّی سے طُورِ شب

اِمشب نہ تُو نے چہرہ دکھایا تو کیا عجب
صبح کا مُنہ نہ دیکھے دلِ ناصبورِ شب

لیلائے شب کی گود میں سویا ہوا تھا چاند
سیماب زیبِ تن کئے بیٹھی تھی حُورِ شب

مَے سی اُتر رہی تھی کواکب سے نُور کی
ہر سمت بٹ رہی تھی۔ شرابِ طہورِ شب

ناگاہ تیری یاد نے یُوں دِل کو بھر دیا
گویا سمٹ گیا اُسی کوزہ میں نُورِ شب

اِس لمحہ تیرے رشک سے شبنم تھی آب آب
مٹّی میں رل رہا تھا پگھل کر غرورِ شب

سب جاگ اُٹھے تھے پیار کے ارماں تہہِ نجوم
پھُونکا تھا کس نے گوشِ محبت میں صورِ شب

لمحاتِ وصل جن پہ ازل کا گمان تھا
چٹکی میں اُڑ گئے وہ طیورِ سرورِ شب

بسم اللہ الرحمن الرحیم





جلد 46 شمارہ 9

احمدی نوجوانوں کے لئے

# ماہنامہ خالد ربوہ

وفا 1377 ہش

جولائی 1998ء

★★★★

ایڈیٹر:
سید مبشر احمد ایاز

فہرست مضامین



رابطہ آفس: دفتر ماہنامہ "خالد" دار الصدر جنوبی۔ ربوہ

قیمت -/7 روپے ★ سالانہ -/70 روپے

مینیجر: مبارک احمد خالد

پبلشر: مبارک احمد خالد۔ پرنٹر: قاضی منیر احمد۔ مطبع: ضیاء الاسلام پریس۔ ربوہ

اداریہ

# وقت اور اس کا استعمال

وقت ایک بہت قیمتی چیز ہے اور جتنی اسکی قیمت اور اہمیت ہے اتنی ہی اسکی بے قدری کی جاتی ہے - لیکن انجام کار نقصان تو وہی اٹھاتا ہے جو اسکی قدر نہیں کرتا - وقت کی قدر و قیمت میں تو کوئی کمی نہیں آیا کرتی ہاں یہ ہے کہ انسان کی قدر اور قیمت میں فرق ضرور آجاتا ہے - جس نے وقت کی قدر کی ہو اسی حساب سے اس کی وقعت اور قیمت ہوا کرتی ہے وہ فائدے میں رہتا ہے اور جو وقت کی قدر نہیں کرتا وہ سوائے نقصان اور حسرت کے اور کچھ نہیں کماتا اور ظاہر کہ حسرت اور نقصان اور خسارہ یہ تو کمائی نہ ہوئی - یہ تو مقصد کا حصول نہ ہوا اور نہ ہی یہ انسان کا مقصد حیات ہے -

اس لئے بہت ضروری ہے کہ ہمیں وقت کی قدر و قیمت کا احساس ہو اور اسکے صحیح مصرف کا علم ہو - ہمیشہ وہی قومیں اور وہی لوگ زندہ رہتے ہیں جنہوں نے وقت کی قدر کی اور اس کو ضائع نہیں کیا اور آج وہ قومیں کہاں سے کہاں جا پہنچیں، ستاروں کے آگے جا نکلیں، وہ چاند پر بسیرا کرنے کا سوچ رہی ہیں اور جنہوں نے وقت ضائع کیا انہیں اس زمین پر بھی سر ڈھانپنے کی جگہ نہیں مل رہی -

ہماری یہ بھی خوش نصیبی ہے کہ ہم اس "دین حق" کے پیروکار ہیں کہ جسمیں وقت کی اہمیت کی طرف خاص طور پر توجہ دلائی ہے - بار بار ادھر توجہ پھرائی جاتی ہے کہ دیکھو وقت کی قدر کرو -

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو الہام ہوتا ہے کہ :- اَنْتَ الشَّیْخُ الْمَسِیحُ الَّذِی لَا یُضَاعُ وَقْتُہٗ کہ تو وہ بزرگ مسیح ہے کہ جس کا وقت ضائع نہیں کیا جائے گا -

ہم لوگ ہیں کہ ہمارا قومی مزاج سا بن گیا ہے کہ وقت کی قدر و قیمت کا اندازہ نہیں کرتے، اسکو صحیح استعمال نہیں کرتے اور جب پوچھا جائے تو بڑے وثوق سے کہہ دیا جاتا ہے کہ جی کیا کریں وقت ہی نہیں ملتا -

ایسے لوگوں کو وقت کبھی ملا بھی نہیں کرتا اور جب ملتا ہے تو وہ آخری وقت ہوتا ہے - کہ جب انسان سوائے حسرت کے کچھ کر نہیں سکتا - ضرورت ہے کہ ہم وقت کو پہچانیں اور اس کا صحیح مصرف کریں اس کے لئے اگر ہم نمازیں پانچ وقت پر باجماعت ادا کرنے کی عادت ڈال لیں تو ایک بنیادی کڑی مل سکتی ہے وقت سے صحیح فائدہ اٹھانے کی -

پھر اپنی اپنی عمر اور استعداد و صلاحیت، سہولت کے مطابق مطالعہ، اور مجلس کے کاموں میں دلچسپی لینا - مطالعہ میں

سب سے پہلے قرآن مجید کی تلاوت اور صرف اسی پر اکتفانہ کیا جائے۔بلکہ ترجمہ پڑھیں اور غور و فکر کریں۔ پھر آنحضرت ﷺ کی احادیث مبارکہ ہیں۔ پھر قرآن وحدیث کے نور سے معطر تحریریں ہیں روحانی خزائن ہیں ان کا مطالعہ کریں۔

اپنے نصاب کے ساتھ ساتھ مفید علمی اور معلوماتی کتب ورسائل کا مطالعہ کریں۔ دن کا کچھ حصہ مجلس کے کاموں میں صرف کریں۔ خدمت خلق کے امور میں حصہ لیں۔ گھر میں والدین ،بہن بھائیوں اور بیوی بچوں کے ساتھ ان کے کاموں میں ہاتھ بٹائیں اور سارا دن گزارنے کے بعد یہ جائزہ لیں کہ آپ نے سارا دن کیسے گزارا۔ کیا آپ کا دل اور دماغ مطمئن ہے ؟ کیا آپ کا جسم وروح پر سکون ہے ؟ کیا وہ اس قدر پر سکون ہے کہ اب اگلا دن پہلے سے بہتر گزارنے کے لئے تیار اور مستعد ہے اور بے چین ہے کہ کب رات کے دو پہر گزریں اور دوبارہ بستر سے الگ ہو کر خدائے ذوالجلال ،خالق کائنات ،رب العالمین کے آگے سر بسجود ہو کر راز و نیاز کرے ، دعائیں اور التجائیں کرے کہ اے خدا ہم بے کسوں اور غریبوں کو دین ، قوم اور ملک کی خدمت کی توفیق دے اور ایسا کر کہ میری ساری عبادتیں اور قربانیاں اور میری زندگی اور میرا مرنا سب تری رضا کی خاطر ہو۔

وقت کا صحیح مصرف اسکی قدرو قیمت کا ایک پہلو یہ بھی ہے اور ایسے لوگ پھر کبھی گھاٹے میں نہیں جاتے۔ یہ لوگ کبھی مرا بھی نہیں کرتے ہمیشہ زندہ رہا کرتے ہیں۔ امر ہو جایا کرتے ہیں

## نہایت ضروری اعلان

مطلع کیا جاتا ہے کہ کوئی فرد یا ادارہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور آپ کے خلفاء کی تصانیف ،خطبات اور لیکچرز نیز سلسلہ احمدیہ کی کوئی کتاب انٹرنیٹ (Internet) پر دینے یا کسی دوسرے طریق سے ان کی اشاعت کا مجاز نہیں جب تک وہ وکالت تصنیف لندن سے باقاعدہ تحریری اجازت حاصل نہ کرلے۔

اس ہدایت کی خلاف ورزی کاپی رائٹس (Copy Rights) کی خلاف ورزی ہے۔ ارتکاب کرنے والے شخص یا ادارے کے خلاف قانونی چارہ جوئی کی جاسکتی ہے۔

(منیر الدین شمس۔ وکیل التصنیف۔ لندن)

# شمع قرآن

## وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ

سیدنا حضرت بانی سلسلہ احمدیہ علیہ الصلوۃ والسلام فرماتے ہیں:۔

"مفسر کہتے ہیں کہ یقین سے مراد موت ہے مگر موت روحانی مراد ہے۔ اور یہ ظاہری بات ہے کہ اس کا مقصود بالذات کیا ہو؟ جس کی تلاش کرنے کیلئے یہاں ایما اور اشارہ ہے۔ مگر میں کہتا ہوں کہ وہ روحانی موت ہو یا تمہاری زندگی خدا ہی کی راہ میں وقف ہو۔ مومن کو لازم ہے کہ اس وقت تک عبادت سے نہ تھکے اور ست نہ ہو جب تک یہ جھوٹی زندگی بھسم نہ ہو جاوے اور اس کی جگہ نئی زندگی جو ابدی اور راحت بخش زندگی ہے اس کا سلسلہ شروع نہ ہو جاوے اور جب تک اسی عارضی حیات دنیا کی سوزش اور جلن دور ہو کر ایمان میں ایک لذت اور روح میں ایک سکینت اور استراحت پیدا نہ ہو یقیناً سمجھو کہ جب تک انسان اس حالت تک نہ پہنچے ایمان کامل اور ٹھیک نہیں ہوتا۔ اسی واسطے اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ تو عبادت کرتا رہ جب تک کہ تجھے یقین کامل کا مرتبہ حاصل نہ ہو اور تمام حجاب اور ظلماتی پردے دور ہو کر یہ سمجھ میں آجاوے کہ اب میں وہ نہیں ہوں جو پہلے تھا بلکہ اب تو نیا ملک، نئی زمین، نیا آسمان ہے اور میں بھی کوئی نئی مخلوق ہوں۔ یہ حیات ثانی وہی ہے جس کو صوفی بقا کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ جب انسان اس درجہ پر پہنچ جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی روح کا نفخ اس میں ہوتا ہے۔ ملائکہ کا اس پر نزول ہوتا ہے۔ یہی وہ راز تھا جس پر پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکرؓ کی نسبت فرمایا کہ اگر کوئی چاہے کہ مردہ میت کو زمین پر چلتا ہوا دیکھے تو وہ ابوبکرؓ کو دیکھے اور ابوبکرؓ کا درجہ اس کے ظاہری اعمال سے ہی نہیں بلکہ اس بات سے ہے جو اس کے دل میں ہے۔"

(الحکم جلد نمبر ۴، ۳۱ اگست ۱۹۰۰ء صفحہ ۳ بحوالہ تفسیر حضرت اقدس مسیح موعودؑ سورۃ الحجر آیت ۱۰۰)

فرمایا:۔

"اگر یقین کی لذت پیدا ہو جائے تو شاید انسان دنیا طلبی کے ارادوں کو خود ترک کر دے کیونکہ اس سے بڑھ کر کوئی لذت نہیں کہ اس بات کو آزما لیا جائے کہ درحقیقت خدا موجود ہے اور درحقیقت وہ قادر ہے۔ جو چاہتا ہے کرتا ہے اور وہ کریم و رحیم ہے۔ ان لوگوں کو ضائع نہیں کرتا جو اس کے آستانہ پر گرتے ہیں۔"

(مکتوبات احمدیہ جلد ۵ حصہ نمبر ۱ صفحہ ۳۵ مکتوب نمبر ۸۴)

# عبید اللہ علیم کی یاد میں

سیدنا حضرت امام جماعت احمدیہ ایدہ اللہ تعالیٰ بصرہ العزیز نے احمدیہ ٹیلی ویژن کے مقبول پروگرام اردو کلاس میں مشہور و معروف احمدی شاعر جناب محترم عبید اللہ علیم صاحب کی وفات پر بڑی محبت کے ساتھ اظہار خیال فرمایا۔(27 مئی 1998ء)

حضور ایدہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا آج ایک خاص غم کی خبر کا ذکر ہے۔یعنی عبید اللہ علیم کی وفات- فرمایا میں نے دو گھنٹے لگا کر عبید اللہ علیم کی بہت سی نظمیں اکٹھی کی ہیں۔

فرمایا ہر شاعر کے اندر بہت کچھ بھرا ہوتا ہے۔یہ ہر وادی میں گھومتے پھرتے ہیں۔اکثر شاعروں کا یہی حال ہوتا ہے۔لیکن ان کے اندر کمال یہ ہے کہ ان کا بہت زیادہ کلام اچھا ہے۔

فرمایا اس ہفتے ہر کلاس میں عبید اللہ علیم کی ایک نظم پڑھی جائے گی- ان کے کلام کا حسن ایسا ہے کہ اس کا ترجمہ کرنا گویا بگاڑنا ہے جو ٹھیک نہیں ہے۔ان کے بعض کلام تو بہت گہرے ہیں۔ان کے بعض الفاظ کی بندش ایسی ہے کہ اس میدان میں انہیں زمانے کے سارے شعراء میں اکیلا مقام حاصل ہے۔ان کے الفاظ کی بندش ایسی ہے کہ اس تک دماغ نہیں پہنچتا۔اس پہلو سے سارے ہندوستان میں بھی ان کا لوہا مانا گیا۔پاکستان کے سارے شعراء میں سے عبید اللہ علیم ہندوستان میں سب سے زیادہ ہردلعزیز ہیں۔

حضرت صاحب نے فرمایا یہ پاکستان میں بھی مقبول ترین ہوتے مگر ان کی خوبی یہ تھی کہ جماعت کی بڑی غیرت رکھتے تھے۔ننگی تلوار تھے۔اس پہلو سے ان کو بہت دبانے کی کوشش کی گئی مگر ان کی زندگی ایسی تھی کہ ہمیشہ کے لئے دبا سکتے ہی نہیں تھے۔اور ان کو مشاعروں میں بلانا پڑتا تھا۔جب بھی آتے تھے چھا جاتے تھے انگلستان میں بھی ان کا یہی حال تھا۔

فرمایا کہ ان کی دو باتوں کی وجہ سے میں ان کا بہت احترام کرتا تھا۔ایک یہ کہ ان کے کلام میں احمدیت کے بہت تذکرے ہیں۔جو ہم پر گذرتی ہے اس کے بارے میں۔پھر حضرت خلیفۃ المسیح الثالث کے متعلق بہت اچھا کلام انہوں نے کہا۔بعض دفعہ تو لگتا ہے کہ غیب کی آواز سے بولتے تھے۔اللہ ان سے بلواتا ہے۔ان کی ایک غزل ہے ....... ناز سے اٹھا۔اعزاز سے اٹھا۔بہت حیرت انگیز نظم ہے۔ناقابل یقین۔کہتے ہیں خدا نے خاک میں روح پھونکی اور وہ مٹی سے اٹھ کر کہاں تک پہنچ گیا۔حضرت صاحب نے فرمایا اب شوکت یہ نظم پڑھیں گی۔میں اس کے معانی میں ڈوبوں گا۔آپ آواز میں ڈوبیں۔ہمارا اپنا اپنا سمندر ہے۔میں عبید اللہ علیم کے سمندر میں ڈوبا کروں گا اور آپ شوکت کی آواز میں ڈوبا کریں گے۔

اس کے بعد عزیزہ شوکت نے نظم پڑھنی شروع کی جس کا پہلا شعر یہ ہے۔

مٹی تھا میں خمیر ترے ناز سے اٹھا
پھر ہفت آسمان مری پرواز سے اٹھا

حضرت صاحب نے فرمایا کمال کا شعر ہے۔مٹی تھا میں۔انسان مٹی سے بنا ہے۔اس کا خمیر اے اللہ تیرے ناز سے اٹھا۔تیری نازبرداری سے مٹی کیا بن گئی۔انسان مٹی تھا پھر سات آسمان کو اس نے اپنے اوپر اٹھا فرمایا لیکن جب تک براہ راست سمجھ نہ آئے مزا نہیں آتا۔

عزیزہ شوکت نے پھر مزید اشعار اپنی خوبصورت آواز میں پڑھے۔

انسان ہو کسی بھی صدی کا کہیں کا ہو
یہ جب اٹھا ضمیر کی آواز سے اُٹھا

حضرت صاحب نے فرمایا کانشنس والا ہوا تو پھر اونچا ہوا۔ ورنہ نہیں۔

صبح چمن میں ایک یہی آفتاب تھا
اس آدمی کی لاش کو اعزاز سے اُٹھا

سو کرتبوں سے لکھا گیا ایک ایک لفظ
لیکن یہ جب اُٹھا کسی اعجاز سے اُٹھا

اے شہسوار حسن یہ دل ہے یہ میرا دل
یہ تیری سرزمیں ہے قدم ناز سے اُٹھا

حضرت صاحب نے فرمایا اے حسن کے گھوڑے کے شہسوار۔ تو حسن کا شہسوار ہے یہ تیری سرزمین ہے قدم ناز سے اٹھا۔ گھوڑے اپنی زمین پر چلتے ہیں تو بڑے ناز سے چلتے ہیں۔ اس قسم کا تصور دوسرے شعراء میں کہیں نہیں ملتا۔ حضرت صاحب نے فرمایا جہاں عبیداللہ علیم چمک اٹھے۔ باقی سب ماند پڑ گئے۔

میں پوچھ لوں کہ کیا ہے مرا جبر و اختیار
یا رب یہ مسئلہ کبھی آغاز سے اُٹھا

حضرت صاحب نے فرمایا، جبر واختیار کا مسئلہ کیسے شروع ہوا۔ پہلے جبر کیا۔ پھر اختیار دیا۔ اللہ سے چھل کرتے ہیں۔ حضرت صاحب نے فرمایا ہم نے یہ مسئلہ آغاز سے اٹھایا تھا۔

وہ ابر شبنمی تھا کہ نہلا گیا وجود
میں خواب دیکھتا ہوا لفاظ سے اُٹھا

شاعر کی آنکھ کا وہ ستارہ ہوا علیم
قامت میں جو قیامتی انداز سے اُٹھا

☆.....☆.....☆.....☆

(بشکریہ روزنامہ الفضل ربوہ 10 جون 98ء، صفحہ 3)

## غزل

سائے میں ترے دھوپ نہائے بصد نیاز
اے چھاؤں چھاؤں شخص تری عمر ہو دراز

اے رب کے عشق میں دیوانے آدمی
دیوانے تیرے ہم کہ ہوا تُو خدا کا ناز

کیوں کر کھلے خدا جو نہ دیکھو وہ آدمی
سجدہ کرے زمین پہ تو ہو عرش پر نماز

آیا زباں پہ اسم گرامی کہ بس ادھر
پُر نم ہوئی وہ آنکھ وہ سینہ ہوا گداز

---

چاند جب دیکھا سمندر کے کنارے ہم نے
اور پھیلادئے کچھ اپنے کنارے ہم نے

اِک عجب شور مچاتی ہوئی تنہائی کے ساتھ
خود میں دہرائے سمندر کے اشارے ہم نے

عبیداللہ علیم

اہل دل ماتم کناں ہیں چل بسا بیمار دل
لے گیا بیمار دل کو آخرش آزار دل
جان تھی اس میں تو تھا اس شخص کا کردار دل
اس کا دل تھا یا کہ "ویراں سرائے کا دیا"
روشنی کرتا رہا دنیا میں از ایثارِ دل

راجہ نذیر احمد ظفر

# غیب کی آواز سے بولنے والا شاعر

مشہور اور نامور احمدی شاعر عبید اللہ علیم 59 برس کے قریب عمر میں کراچی میں رحلت فرماگئے- ادب کا ایک باب بند ہوگیا- شاعری کا سورج غروب ہوگیا- غیبی مضامین کا ایک تسلسل رک گیا- مگر علیم کا نام اس کی سوچ اس کی شاعری اس کا توانا' زندہ' مضبوط اور جارحانہ لب ولہجہ زندہ رہے گا-

عبید اللہ علیم کو دوسروں کی نظر سے جانچنے سے پہلے ضروری ہے کہ ایک نظر خود علیم کی نظر سے علیم کو دیکھا جائے- علیم نے اپنا تعارف اپنے دوسرے مجموعہ کلام "ویران سرائے کا دیا" میں کرایا ہے- وہ اپنی کتاب کے نام کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں-

"ویران سرائے انسان' اس کا وجود' گھر ہے' کائنات ہے......دیا' اللہ نور السموات والارض ہے' دیا اس کا نور علی نور آدمی ہے' دل ہے' عشق ہے' حسن ہے' عقل ہے' ایک طاقت اور اکائی ہے ....... یہ میری کہانی ہے اور اس طرح یہ ہر اس آدمی کی کہانی ہے جو دل میں کوئی دیا جلائے ہوئے' مسلسل کسی حسن میں گم ہوتے رہنے کا تمنائی ہے-"

پھر لکھتے ہیں-

"میں ابلیسی خودی اور انا کے مقابلے پر آدم کا یقین' سپردگی اور دعا کا زاد سفر لے کر نکلا ہوں- اور دیکھتا ہوں کہ رحمت کے بادل اس ابلیسی آگ کو پھر ٹھنڈا کرنے کے لئے تلے کھڑے ہیں- میرا چاند چہرہ اب دعا دعا چہرہ ہوگیا ہے- میری ستارہ آنکھیں اب حیا حیا آنکھیں ہوگئی ہیں....... میں زمینی اور آسمانی رشتوں' محبتوں' اور صداقتوں کا شاعر ہوں"

("ویران سرائے کا دیا" صفحہ 11 تا 15 - یورپین ایڈیشن 1994ء)

عبید اللہ علیم کی شاعری کو اس کے اپنے تعارف میں دیکھئے اور پہچانئے اور پھر اس کے بارے میں اس کی وفات پر مشہور ادیب "خالد احمد" کے ادبی کالم "لمحہ لمحہ" مطبوعہ (جریدہ ادب) روزنامہ جنگ لاہور 29 مئی 1998ء کی یہ تحریر ملاحظہ فرمایئے-

"عبید اللہ علیم کے نزدیک کچھ اور معاملات شاعری سے زیادہ اہم ہوگئے- ساڑھے چار برس پیشتر لاہور آئے تو ماہنامہ "بیاض" لاہور نے ان کے اعزاز میں ایک تقریب برپا کی- اس تقریب میں لاہور کے تمام نوجوان اور بزرگ شعراء جمع ہوئے اور اس تقریب میں صرف عبید اللہ علیم کا کلام سنا گیا- عبید اللہ علیم نے بھی جی بھر کے سنایا- عبید اللہ علیم کی خوبصورت اور آئینہ رو غزلوں نے سب کے دل موہ لئے- عبید اللہ علیم کی انگلی میں مبلغوں والی انگوٹھی جھلملا رہی تھی- ہم نے ان کو نہیں پوچھا لیکن ان کے دوسرے دوستوں نے بتایا کہ وہ آج کل تبلیغ میں مصروف ہیں اور اس سلسلے میں بہت آگے نکل گئے ہیں-

مجھے یاد آیا کہ عبید اللہ علیم سے گذشتہ ملاقاتوں میں ماہنامہ فنون لاہور سے ان کی مسلسل غیر حاضری کی بار بار بات کی- مگر وہ ہر بار مسکرا کر میری بات ٹال گئے- شاید وہ خود اختیاری کا مظاہرہ کرتے ہوئے از خود گوشہ گیر ہوگئے- ان کی دلچسپیاں تبدیل ہوگئیں تھیں......ان کی عجیب تربات یہ لگی کہ انہوں نے وہ غزلیں بھی نقل نہیں کیں جو انہوں نے وہاں سنائی تھیں- اب لگتا تھا کہ وہ اپنا "نام و نشان" مٹا دینا چاہتے ہیں- وہ کسی نئی شناخت میں اپنے آپ کو گم کر دینا چاہتے تھے-

عبید اللہ علیم اب ہمارے درمیان نہیں رہے- وہ ہمارے درمیان ہوتے ہوئے بھی ہمارے درمیان نہ تھے- لیکن اب

جبکہ وہ اس فانی دنیا سے رخصت طلب کر چکے ہیں- مجھے احساس ہوا کے وہ اب بھی ہمارے اس قدر ہیں' جس قدر وہ ہمارے درمیان ہوتے ہوئے' ہمارے درمیان تھے- موت نے عبید اللہ علیم سے ان کے اور قاری کے درمیان ان کے فانی وجود کا پردہ بھی اٹھا دیا-"

اور یہ بات وہی ہے جو عبید اللہ علیم نے ویران سرائے کا دیا کے پیش لفظ میں یوں لکھی تھی کہ ' "میں زمینی آسمانی رشتوں' محبتوں اور صداقتوں کا شاعر ہوں اور مجھے یقین ہے کہ ایسے شاعر کے لئے فنا کا قانون منسوخ ہو جاتا ہے-" (ویران سرائے کا دیا ص 15)

عبید اللہ علیم لافانی ہو گیا ہے- اور اگر اس کے لئے فنا کا قانون منسوخ ہوا ہے تو اس لئے کہ اس نے بھی زندگی بھر اپنے مقصد زندگی سے بے وفائی نہیں کی- اور عشق کی راہ میں ثبات قدم کا جب بھی سوال درپیش ہوا وہ لبیک کہتا ہوا ہر قربانی کے لئے تیار ہو گیا-

روزنامہ نوائے وقت 22 مئی 1998ء میں ادبی کالم نگار اعزاز احمد آذر نے اپنے کالم میں لکھا عنوان ہے "عبید اللہ علیم"-

"عبید اللہ علیم بھی چلے گئے - ایک خوش فکر اور خوش کلام شاعر اٹھ گیا- وہ بلاشبہ مشاعروں' پبلک مشاعروں کا پسندیدہ شاعر تھا- مشاعرہ پڑھتے ہوئے گویا اس کے انگ انگ سے شعر پھوٹتے تھے- زندگی کی رومانیت پسندی اس کی شاعری کا طرہ امتیاز تھا- وہ اپنے شعر' اپنی ذات' اور اپنے نظریہ فن سے محبت کرنے والا شاعر تھا- اور یہ اس محبت میں طرز احساس کی نزاکت تھی کہ جہاں نظریئے کا سوال آگیا اس نے ملازمت سے استعفیٰ دے دیا- کوئی مصلحت اور کسی بھی نوع کی مصلحت اس کے آڑے نہ آسکی- اس نے کہا تھا کہ :-

کوئی عزیز نہیں ماسوائے ذات ہمیں
اگر ہوا ہے تو یوں جیسے زندگانی ہوئی

عبید اللہ علیم بلاشبہ محبت کا شاعر تھا- وہ زندگی کے ہمہ جہت پہلوؤں کو محبتوں ہی کے حوالے سے دیکھتا تھا- وہ زندگی کے تخلیقی پہلو کو انکشاف ذات سے تعبیر کرتا تھا بالکل اس طرح جس طرح روحوں میں رچ بس جانے والی خوشبو گلاب کے پھول کا انکشاف ہوتی ہے- وہ کہتا ہے کہ خوشبو فضاؤں میں گھلتی رہتی ہے- آپ چاہیں تو اس کے شریک ہو جائیں- گلاب کی خوشبو آپ کی نیاز مند نہیں- مگر گلاب کا پودا فطرت کا اور آپ کا نیاز مند ہے کہ اسے اگنے کے لئے پانی اور زمین اور روشنی بہر حال چاہئے-"

اعزاز احمد آذر مزید لکھتے ہیں'

"میں نے دیکھا کہ وہ سامعین کے لئے ترتیب دی گئی کرسیوں میں پیچھے ایک کونے میں اکیلا بیٹھا ہے- جبکہ باقی شعرائے کرام اندر ٹھنڈے کمرے میں گپ شپ کر رہے تھے- میں نے اسے کہا بھی کہ ' "کونج اپنی ڈار کے ساتھ ہی اچھی لگتی ہے" مگر وہ ہنس کے ٹال گیا- وہ دراصل لئے دیئے رہنے والا انسان اور ہمیشہ اپنی فکر میں کھویا ہوا شاعر تھا-

چھلک نہ جاؤں کہیں میں وجود سے اپنے
ہنر دیا ہے تو پھر ظرفِ کبریائی دے "

اور اپنے کالم کے آخر میں اعزاز احمد آذر لکھتے ہیں-

"خدا معلوم موت کس اٹل حقیقت کے روپ میں ہمہ وقت اس کے فکر و خیال کا مرکز بنی رہتی تھی- علیم نے بے شمار ایسے شعر کہے جس میں اس آفاقی سچائی کو مختلف رویوں میں پیش کیا ہے- وہ زندگی کے حیات آمیز اور حیات آموز رویوں سے محبت کرنے والا فنکار تھا- وہ کائنات کی بے رحم سچائیوں میں سے جمالیات کشید کر لینے والا شاعر تھا- وہ محفلوں میں چپ چپ رہتا تھا مگر اس کی خاموشی بولتی تھی- وہ ایک ایسا خلا چھوڑ گیا ہے جو کبھی پُر نہ ہو گا- اس نے اپنی شاعری کے حوالے سے زندگی سے پیار کیا مگر موت کو بھی وہ قابل نفرت نہیں جانتا تھا-"

ہوا کے دوش پہ رکھے ہوئے چراغ ہیں ہم
جو بجھ گئے تو ہوا سے شکایتیں کیسی

(روزنامہ نوائے وقت 22 مئی 1998ء)

عبید اللہ علیم کی دوستیاں دشمنیاں بے تکلفیاں اس کی زندگی کا ایک عجیب رخ تھیں۔ وہ شاعر تھا لہٰذا لاابالی پن بھی اس کی زندگی کا حصہ رہا۔ اور جب وہ زندگی میں سنجیدہ ہوا تو اس نے ایسی ایسی رفعتوں کو پالیا کہ زندگی آج بھی اس پر رشک کرتی ہے۔

تاہم عبید اللہ علیم کی بے تکلفیوں کے زمانے کے ایک دوست نذیر ناجی کی تحریر کا ایک ٹکڑا ملاحظہ ہو۔ نذیر ناجی روزنامہ جنگ کے کالم نگار ہونے کے ساتھ ساتھ آج کل اکیڈمی آف لیٹرز کے چیئرمین بھی ہیں۔ وہ لکھتے ہیں'

"دل نہیں مانتا کہ اسے مرحوم تسلیم کروں۔ وہ عجیب لاابالی انسان تھا۔ یکساں تعلقات رکھنے کے قابل ہی نہیں تھا۔ لڑنا' پیار کرنا' روٹھنا' اور منائے جانے کے لئے کن انکھیوں سے دیکھتے رہنا اس کی چند ادائیں تھیں۔"

نذیر ناجی لکھتے ہیں'

"اس نے مر کے اچھا نہیں کیا۔ مرنے والوں کے ساتھ لڑنے جھگڑنے سے محروم ہونا پڑتا ہے۔ علیم مجھے یہ محرومی دے گیا ہے۔ اب میرا اس کے کیا واسطہ...... میرے لئے تو وہ لڑنے' روٹھنے' پیار کرنے اور والہانہ انداز میں گلے ملنے والا آدمی تھا۔ جب یہی چیزیں نہ رہیں تو پھر مجھے کیا۔" (روزنامہ جنگ 20 مئی 1998ء)

(بشکریہ روزنامہ الفضل صفحہ 10' جون 98ء صفحہ 4)

مکرم علیم صاحب کی وفات پر P.T.V نے بھی 20 منٹ کے دورانیہ پر مشتمل پروگرام پیش کیا جسمیں مختلف دانشوروں اور ادیبوں نے آپ کو خراج تحسین پیش کیا اور خصوصاً پروگرام کے میزبان مکرم نصیر ترابی صاحب نے جس خوبصورتی سے ڈوب کر علیم کے اشعار پڑھے وہ دلوں کو گرما دینے والے تھے

# ایک مضمون

یہ مقالہ ایوان محمود ربوہ میں علیم صاحب کے ساتھ ایک نشست کے موقعہ پر 1995ء میں پڑھا گیا۔ (مقالہ نگار فرخ حقانی)

غالب نے کہا تھا۔

طرز بیدل میں ریختہ کہنا
اسد اللہ خان قیامت ہے

لیکن غالب نے نہ صرف طرز بیدل میں ریختہ لکھا بلکہ ریختہ کو ایک انداز جداگانہ بھی دیا۔ غالب کے شعروں میں ظہوری کی معنی آفرینی، حافظ کا تغزل اور بیدل کا سہل ممتنع، میر کی کسک اور رومی و سعدی کی متصوفانہ جھلک نظر آتی ہے۔ گویا فارسی اور اردو کی شعری روایت کو یکجا کر دیا جائے تو غالب بنتا ہے۔ اب اگر طرز غالب کے تتبع میں غالب کی ہی زمینوں کو پامال کرنے والا شاعر پیدا ہو جائے تو اس کو کیا کہئے گا۔ اگر غالب کی مشکل زمینوں، ندرت مضامین، بلند تخیلی کو جمع کر کے اس سے بہتر لکھا جائے تو غالب تو مغلوب ٹھہرے لیکن احمد یہ علم کلام کے ایک متبع نے یہ بھی کمال کر دکھایا۔ اور غالب ہی کی زمینوں کو اپنی زمینیں بنا لیا۔ یوں لگتا ہے کہ اس شاعر میں غالب کی نکتہ آفرینی، میر کا تغزل جمع ہو کر ایک نئی جہت کی طرف چل نکلا ہے۔

لیکن اس دعویٰ کے ساتھ

پہلا شاعر میر ہوا اور اس کے بعد ہوں میں
پہلے وہ تعزیر ہوا اور اس کے بعد ہوں میں

علیم بولتا تھا تو شہر سنتا تھا۔ علیم کی غزل ہو یا علیم کی نظم، علیم کی گفتگو ہو یا علیم کی نثر۔ وہ اپنے عہد میں واحد تھا اور مدتوں واحد ہی رہے گا۔

ایک بات تو طے ہے کہ دوسرے شاعروں کی طرح علیم سطحی کیفیات اور سطحی وصال کا شاعر نہیں بلکہ یہ "پاتال کے دکھوں" اور وصال کے بعد روح کی سرشاری کی کیفیات کو منعکس کرنے والا شاعر ہے۔ ہاں سلیم احمد کے بقول "آشوب ذات کا شاعر" جو انسانی دکھوں میں ڈوب کر "انکشاف ذات کا شاعر" بن جاتا ہے۔ لیکن نہیں وہ آشوب ذات کا شاعر کیا۔ وہ تو روح کی وسعتوں اور کائنات کی پنہائیوں کا شاعر ہے۔

Keats نے اپنے بھائی کے نام ایک خط میں لکھا تھا۔

"There may be intelligence or spark of divinity in millions but they are hot souls till they acquire identities till each one is personality it self." (On Poctry and Pocts)

لاکھوں میں علیم کے اندر یہ شعلہ مستور تھا اور اس نے اپنی ذات کا سفر کیا اور اب یہ ایک "روح" ہے جس کی اپنی ایک شناخت اور شخصیت ہے۔ یہ شخصیت اس کے شعروں میں خوب چھلکتی ہے۔

لکھنے والے بھی جان سکتے ہیں
لفظ لکھنے میں جو قیامت ہے
تھی کبھی شاعری کمال مرا
شاعری اب مری کرامت ہے

علیم کے کلام میں محاکات شعری، تلمیحات و استعارات کا برمحل استعمال جہاں کلام کو ادبی شگفتگی سے نوازتا ہے وہاں مجاز اور حقیقت کے درمیان نہایت حسین وصال بھی پیدا کرتا ہے۔ علیم نے غزل کو جس کمال سے اپنے سماجی اور تاریخی تناظر میں برتا ہے یہ انہی کا خاصہ ہے۔ علیم کی غزل کو پڑھتے ہوئے قاری ماورائیت کی فضاء میں داخل ہو جاتا ہے۔ لیکن حقیقی طور پر علیم کے کلام کا ادراک حاصل کرنے کیلئے اس ادبی روایت کو خوب اچھی طرح کھنگالنا ہوگا جس سے علیم نے اپنے ربط مضبوطی سے قائم رکھا ہے۔ گویا ہم اگر یوں کہیں کہ یہ شاعر ولی دکنی سے غالب و فیض تک کے تمام ادبی رویوں کو لیکر اپنے

عہد کے شعراء میں اس کے ایک منفرد لب و لہجہ رکھتا ہے۔ اپنے سماج کا شعور حاصل ہے اور یہ شعور اس میں سرایت کر گیا ہے۔ تو غلط نہ ہو گا Malcom Barbury نے لکھا تھا۔

"ادبی تخیل میں سماج میں سرایت کر جانے اور اس سے نبرد آزما ہونے کی غیر معمولی قوت ہوتی ہے۔ یوں ادب سماج کی بہترین اقدار کا اظہار کرتا ہے۔ ادب شعور کے تاریخی ارتقاء میں نہایت اہم کردار ادا کرتا ہے۔ وہ تاریخی حقیقت کی عکاسی بھی کرتا ہے اور انکی تخلیق بھی کرتا ہے۔ ادب کو اساسی طور پر ذہنی تخلیق، کاوش اور سرگرمی قرار دیا جاسکتا ہے لیکن ایسی کاوش سماجی طور پر وجود میں آتی ہے۔ ادیب ذہنی تاریخی دھارے کا حصہ ہے اور ان اقدار کا اظہار کرتا ہے جو کسی سماج اور قوم اور عہد کے سیاق و سباق کے تحت پیدا ہوتی ہے۔"

Litrature and socialogy by Malcom. Borbury included in essays and studies 1971 Collected by A.R. Humphrays)

شاعر جو ادب کی افضل ترین نوع ہے اس میں سماج کی تاریخی قدروں کا اظہار افضل سطح پر ہونا چاہئے اور علیم میں یہ اسی سطح پر موجود ہے۔ اس نے اپنے سماج کے تاریخی اور معاشرتی انحطاط کو نہ صرف دیکھا بلکہ انتہائی شعوری سطح پر محسوس کیا اور پھر اس کی روح کی پاتال سرا سے لاشعوری طور پر جو آواز نکلی وہ اس کے ایسے درد کی ہی نہیں بلکہ اپنے پورے عہد کی کراہ ہے۔ عہد کے سماجی اور معاشرتی رویوں کو ذرا دیکھئے کہ کس امنگ سے وہ کہتے ہیں۔

وحشت اسی سے پھر بھی وہی یار دیکھنا
پاگل کو جیسے چاند کا دیدار دیکھنا
یا رب کوئی ستارہ امید پھر طلوع
کیا ہو گئے زمین کے آثار دیکھنا
میں نے سنا ہے قرب قیامت کا ہے نشاں
بے قامتی پہ جبہ و دستار دیکھنا

☆☆☆

اب تو فراق صبح سے بجھنے لگی حیات
یار الہ کتنے پہر رہ گئی ہے رات
جاگے کوئی ستارہ صبح یقیں کہ پھر
سر سے بلند ہو گیا سیل توہمات
ہر تیرگی میں تو نے اتاری ہے روشنی
اب خود اتر کے آ کہ سیہ تر ہے کائنات

لیکن لمحہ بھر کو رکئے اور دیکھئے کہ شاعر کی جستجو کیا ہے۔

ملے ہیں یوں تو بہت، آؤ اب ملیں یوں بھی
کہ روح گرمی انفاس سے پگھل جائے

☆☆☆

تیرے ہی رنگ اترتے چلے جائیں مجھ میں
خود کو لکھوں تیری تصویر بنائے جاؤں

☆☆☆

یہ جستجوئے وصال ہے اور وصال بھی ایسا جس میں تشنگی جب سرشاری میں بدل جاتی ہے تو شاعریوں گویا ہوتا ہے۔

اس کا بدن تھا جام شراب اور لب بہ لب
ہم تشنہ لب تھے ہم نے بھی عالم دگر کہا
تھی ایک زندگی کے برابر وہ ایک رات
اس رات کو بسر کیا اور تاسحر کیا

لیکن علیم کی یہ جستجوئے وصل محض جستجوئے وصل ہی نہیں بلکہ روح کی سرشاری اور اس سے بھی آگے کی ایک کیفیت ہے۔

اک عجب عالم وصال میں تھے
درمیاں میں کس کا بدن آیا

☆☆☆

گزرنا حسن کی نظارگی سے پل بھر کو
پھر اس کو ذائقہ لازوال کر رکھنا

☆☆☆

اک اصل کے خواب میں کھو جانا
یہ وصل ہوا کہ وصال ہوا

شعراء میں ایک قامت ہے اور یہ قامت کیا قیامت ہے۔

ملتا جلتا تھا حال میر کے ساتھ　　میں بھی زندہ رہا ضمیر کے ساتھ

# ویران سرائے کا روشن دیا

## مملکت شعر کا منفرد اور عالمی شہرت یافتہ باکمال احمدی شاعر

# عبید اللہ علیم

مضمون نگار: مکرم فضیل عیاض احمد صاحب

چند سال ادھر کی بات ہے دبئی میں ایک بین الاقوامی محفل مشاعرہ برپا تھی میزبان مجلس سلیم جعفری نے اعلان کیا کہ اب میں جس شخص کو دعوت کلام دے رہا ہوں وہ اردو غزل کی آبرو ہیں اور یہ کہہ کر انہوں نے بلایا عبید اللہ علیم صاحب کو۔

علیم صاحب جنہیں آج مرحوم لکھتے ہوئے کلیجہ منہ کو آتا ہے پاکستان کی ویران ادبی سرائے میں سچ کا ایک روشن دیا تھے وہ واقعتاً اردو غزل کی آبرو تھے وہ ادب کی دنیا کے ایک ایسے کھرے اور سچے آدمی تھے جنہیں ان کی مادر وطن کی دورخی ادبی دنیا نے حقیقی مقام نہیں دیا علیم صاحب جو آج کراچی میں آسودہ خاک ہیں اس ادبی روایت کے امین تھے جس کا آغاز میر و غالب سے ہوا اور جس کی انتہا علیم صاحب پر ہوئی۔ انہوں نے اردو ادب کو ایک نئی جہت سے آشنا کیا۔

ساٹھ کی دہائی کی کراچی ---- نوجوان علیم صاحب کراچی کی ادبی دنیا میں نووارد۔ لیکن اپنے منفرد لہجے کے باعث بے حد مقبولیت حاصل کرتے ہوئے۔ ستارہ آنکھوں اور چاند سے روشن چہرے والے علیم صاحب ہر نوجوان کے دل کی دھڑکن بن چکے تھے۔

۱۹۷۴ء میں ان کا مجموعہ کلام ﴿چاند چہرہ ستارہ آنکھیں﴾ منظر عام پر آیا تو اس وقت ان کے شعر اردو ادب کی فضاؤں میں رس گھول رہے تھے۔

علیم صاحب ایک زندہ آدمی تھے جنہیں اپنے وجود کا اپنے ہونے کا احساس تھا وہ اپنے لوگوں کے دکھ لکھ رہے تھے وہ اپنی ذات میں ایک شاعر تھا لیکن آشوب ذات کا شاعر نہیں بلکہ انکشاف ذات کا شاعر تھا وہ کہہ رہا تھا اور لوگ سن رہے تھے۔ وہ شعر کی صورت میں اپنا ابلاغ کر رہا تھا اس کی شاعری میں اس کی شخصیت کی اس کے لوگوں کی اس کی دھرتی کی باتیں جھلک رہی تھیں۔ وہ اپنے ہونے کے احساس سے آشنا تھا اور خوب جانتا تھا کہ وہ کیا کہہ رہا ہے اور اس کی سمجھنے کی تاب کون لوگ رکھتے ہیں۔

یہی چہرے میرے ہونے کی گواہی دیں گے
ہر نئے حرف میں جاں اپنی سمائے جاؤں

اہل دل ہوں گے تو سمجھیں گے سخن کو میرے
بزم میں آ ہی گیا ہوں تو سنائے جاؤں

علیم صاحب آج شعروادب میں
ایک روایت بن گئے ہیں وہ لکھتے تو ہر شخص کے دل کی آواز بن کر بولتے تو ضمیر کی آواز بن کر لفظ ان کے دامن میں موتی اور نگینے بن کر چمکتے۔ حرف ان کے آسمان پر ستارے بن کر جگمگاتے۔ انہوں نے حرفوں کے ان نگینوں اور لفظوں کے ان موتیوں سے جو خوبصورت زیور تراشے وہ عروس شعر کا سنگھار ہیں۔

علیم صاحب اپنے عہد کی آواز تھے شکستہ انسانیت کی وہ پرزور آواز جس نے اپنے عہد کی شکستگی کا بیان کر کے اپنے عہد کے انسان کو اس کے ہونے کا احساس دلانے کی کوشش کی ہے۔

خیال و خواب ہوئی ہیں محبتیں کیسی
لہو میں ناچ رہی ہیں یہ وحشتیں کیسی

نہ صاحبانِ جنوں ہیں نہ اہلِ کشف و کمال
ہمارے عہد میں آئیں کثافتیں کیسی

جو ابر ہے سو وہ اب سنگ وخشت لاتا ہے
فضا یہ ہو تو دلوں کی نزاکتیں کیسی

یہ دور بے ہنراں ہے بچا رکھو خود کو
یہاں صداقتیں کیسی کرامتیں کیسی

علیم صاحب محبتوں کے شاعر تھے ان کی ذات ایک مسلسل محبت تھی اس کی محبت کی کوئی ایک جہت نہ تھی جہاں ان کو محبت ملی ان کے وجود سے محبت کے سوتے پھوٹنے لگے۔ وہ محبّ تھا اور محبوب تھا۔

میں جسم و جاں کے تمام رشتوں سے چاہتا ہوں
نہیں سمجھتا کہ ایسا کیوں ہے
نہ خال و خد کا جمال اس میں نہ زندگی کا کمال کوئی
جو کوئی اس میں ہنر بھی ہو گا
تو مجھ کو اس کی خبر نہیں ہے
نہ جانے پھر کیوں
میں وقت کے دائروں سے باہر کسی تصور میں اڑ رہا ہوں
خیال میں خواب وخلوت ذات و جلوت بزم میں شب وروز
مرا لہو اپنی گردش میں اسی کی تسبیح پڑھ رہا ہے
جو میری چاہت سے بے خبر ہے

........................................

علیم صاحب کے یہاں مجاز اور حقیقت کا ایک ایسا آہنگ نظر آتا ہے جو اردو شاعری میں سوائے دردؔ کے اور ہمیں شاذ ہی نظر آتا ہے۔

غالبؔ کی شاعری کا صوفیانہ رچاؤ فلسفیانہ رنگ رکھتا ہے مگر علیم صاحب کے یہاں تصوف کے پردے میں ہمیں ذاتی تجربات کی کسک بھی دکھائی پڑتی ہے۔ وہ جب اپنے لوگوں کو مظلوم دیکھتے ہیں تو ان کے اندر کا انسان ترنم ریز ہوتا ہے البتہ ان کا انداز بیان ناامیدی کی بجائے امید

کے چراغ روشن کرتا ہے اور ان کی نگاہ اپنے مالک حقیقی کی طرف اٹھتی ہے۔

اب تو فراق صبح میں بجھنے لگی حیات
بار الٰہ کتنے پہر رہ گئی ہے رات

ہر تیرگی میں تو نے اتاری ہے روشنی
اب خود اتر کے آکہ سیاہ تر ہے کائنات

جاگے کوئی ستارہ صبح یقیں کہ پھر
سر سے بلند ہو گیا سیل توہمات

علیم صاحب کے یہاں اس دور کی نسل کے مسائل اور ان کا بیان اپنے پورے عروج پر ہوتا ہے لیکن جب وہ غزل سرا ہوتے ہیں تو صرف ایک نسل نہیں بلکہ پورے عہد کی آواز بن کر۔ وہ فلک و چرخ کو مورد الزام ٹھہرانے کی بجائے ان تلخیوں کی طرف لے جاتے ہیں جو اصل حقائق ہیں یوں لگتا ہے کہ صریر خامہ نوائے سروش ہے۔

میں یہ کس کے نام لکھوں جو الم گزر رہے ہیں
مرے شہر جل رہے ہیں مرے لوگ مر رہے ہیں

کبھی رحمتیں تھیں نازل اسی خطہ زمیں پر
وہی خطہ زمیں ہے کہ عذاب اتر رہے ہیں

کوئی اور تو نہیں ہے پس خنجر آزمائی
ہمیں قتل ہو رہے ہیں ہمیں قتل کر رہے ہیں

..........

علیم صاحب کی شاعری میں شعر لفظوں کی بازیگری کا نام نہیں بلکہ ان کے یہاں شعر ایک تخلیق ہے اور ایک ایسی تخلیق جس میں صاحب تخلیق کی ذات اپنے پورے کرب اور مسرت کے ساتھ جھلکتی ہے شاید میرے لفظوں سے کسی کو اس بات کا ابلاغ نہ ہو سکے کہ کرب اور مسرت باہم کسطرح یکجا ہو سکتے ہیں تخلیق ایک کرب سے گزرنے کا عمل ہے اور تخلیق کے بعد جو دلی کیفیت اس کے خالق کے اندر اس کو دیکھنے کے بعد پیدا ہوتی اس کو بسوائے مسرت کے کسی اور نام سے یاد نہیں کیا جا سکتا۔

سخن میں سہل نہیں جاں نکال کر رکھنا
یہ زندگی ہے ہماری سنبھال کر رکھنا

میں اپنے وجود کا ہوں شاعر
جو لفظ لکھوں گا سب لکھو گے

قسمت شب زدگاں جاگ ہی جائے گی علیم
جرس قافلہ خوش خبراں ہیں ہم لوگ

لکھتے ہیں پر یہ نہیں جانتے لکھنے والے
نغمہ اندوہ سماعت ہے اثر ہونے تک

جو کچھ بھی ہوں اپنی ہی صورت میں ہوں
غالب نہیں ہوں میرو یگانہ نہیں ہوں میں

..........

بچوں کی طرح یہ لفظ میرے
معبود انہیں بولنا سکھا دے

یہ میرا عہد یہ میری دکھی ہوئی آواز
میں آگیا جو کوئی نوحہ گر بھی آتا ہے

علیم صاحب کو لفظ برتنے کا سلیقہ آتا ہے ان کے یہاں ایک مکمل استعاراتی اور تلمیحاتی نظام موجود ہے۔

مٹی تھا میں خمیر ترے ناز سے اٹھا
پھر ہفت آسمان میری پرواز سے اٹھا
انسان ہو کسی بھی صدی کا کہیں کا ہو
یہ جب اٹھا ضمیر کی آواز سے اٹھا
وہ ابر شبنمی تھا کہ نہلا گیا وجود
میں خواب دیکھتا ہوا الفاظ سے اٹھا

انہوں نے جو بھی استعارہ یا تلمیح استعمال کی ہے اسے اس کا خوب ادراک ہے اور وہ واقعہ اس پر گزرا ہے۔ علیم صاحب کا تعلق پاکستان کی اس مظلوم اقلیت سے ہے جو اکثریت کے ظلم کا مسلسل نشانہ بن رہی ہے۔ اپنے ان تمام لوگوں کا دکھ ان کے دل میں گھر کر گیا ہے اور جب وہ ان کو سامنے رکھ کر لکھتے ہیں تو یوں لگتا ہے کہ گویا ہر واقعہ ان کی ذات کا واقعہ ہے۔

چلو اب فیصلہ چھوڑیں اسی پر
ہمارے درمیاں جو تیسرا ہے
رکھو سجدے میں سر اور بھول جاؤ
کہ وقت عصر ہے اور کربلا ہے

اندھیرے میں عجب اک روشنی ہے
کوئی خیمہ دیا سا جل رہا ہے
ہزاروں آبلے پائے سفر میں
مسلسل قافلہ ایک چل رہا ہے

..........................

گزرتی ہے جو دل پر دیکھنے والا فقط تو ہے
اندھیرے میں اجالا دھوپ میں سایا فقط تو ہے
تو ہی دیتا ہے نشہ اپنے مظلوموں کو جینے کا
ہر اک ظالم کا نشہ توڑنے والا فقط تو ہے
وہی دنیا وہی ایک سلسلہ ہے تیرے لوگوں کا
کوئی ہو کربلا اس دیں کا رکھوالا فقط تو ہے

..........................

کوئی قاتل نہیں گزرا ایسا
جس کو تاریخ بچا کر لے جائے

..........................

۱۹۸۴ء کا سال پاکستان کی مذہبی تاریخ میں ایک نہایت بھیانک سال تھا اس سال وہ رسوائے زمانہ آرڈیننس جاری ہوا جس نے پوری دنیا میں ہمارے ملک کا نام مٹی میں ملا دیا ایک آمر نے مذہب کا سہارا لیکر پاکستان کی بہی خواہ اور ہمدرد جماعت پر ایسی ناروا پابندیاں لگائیں جن کی مثال تاریخ کے تاریک دور میں بھی نہیں ملتی۔

اس ظلم نے اس دور کے احمدی کے حساس دل کو دکھا دیا اور شاعر کی کیفیت میں وہ تبدیلی آئی جس نے اردو کے مزاحمتی ادب میں ایک نئی جہت کا آغاز کیا۔

غزل کی تمام تر نزاکتوں کے ساتھ علیم صاحب کا شعر ایک نئے آفتاب کے ساتھ طلوع ہوا۔ ایسی ایسی کیفیات کا اظہار ہمیں ان کے یہاں نظر آتا ہے جس کی مثال ہمیں اور کہیں۔ ڈھونڈے سے نہیں ملتی۔

۱۹۸۵ء کی ایک غزل کے چند اشعار ملاحظہ ہوں۔ یہ غزل دیکھ کر یوں محسوس ہوتا ہے کہ علیم صاحب حقیقت کی دنیا میں کھو کر ابدی صداقتوں میں ڈوب کر غیب سے بولتے تھے اور آنے والے کل کی حقیقتوں کا خوب ادراک رکھتے تھے۔

ملتا جلتا تھا حال میر کے ساتھ
میں بھی زندہ رہا ضمیر کے ساتھ

ایک نمرود کی خدائی میں
زندگی تھی عجب فقیر کے ساتھ

آنکھ مظلوم کی خدا کی طرف
ظلم ایک ظلمت کثیر کے ساتھ

جرم ہے اب مری محبت بھی
اپنے اس قادر و قدیر کے ساتھ

اس نے تنہا کبھی نہیں چھوڑا
وہ بھی زنداں میں ہے اسیر کے ساتھ

کس میں طاقت وفا کرے ایسی
اپنے بھیجے ہوئے سفیر کے ساتھ

آنے والا ہے اب حساب کا دن
ہونے والا ہے کچھ شریر کے ساتھ

تیرے پیچھے ہے جو قضا کی طرح
کب تلک جنگ ایسے تیر کے ساتھ

شب دعاؤں میں تربتر میری
صبح ایک خواب دلپذیر کے ساتھ

اہل دل کیوں نہ مانتے آخر
حرف روشن تھا اس حقیر کے ساتھ

..........................

علیم صاحب کا محبوب کوئی تخیلاتی اور فرضی محبوب نہیں وہ ایک ایسا وجود ہے جو سچ مچ اس کے وجود کا حصہ بن چکا تھا جس کے ساتھ اس کا ایک ایسا قلبی تعلق قائم تھا جو اس کے اندر ایک تسلسل سے تبدیلی پیدا کر رہا تھا اور اس حقیقی تعلق نتیجے میں اس کے اندر سے ایک حقیقی اور سچی آواز نکلتی تھی۔

زمین جب بھی ہوئی کربلا ہمارے لئے
تو آسمان سے اترا خدا ہمارے لئے

انہیں غرور کہ رکھتے ہیں طاقت و کثرت
ہمیں یہ ناز بہت ہے خدا ہمارے لئے

بس ایک لو میں اسی کے گرد گھومتے رہنا
جلا رکھا ہے جو اس نے دیا ہمارے لئے

وہ جس پہ رات ستارے لئے اترتی ہے
وہ ایک شخص دعا ہی دعا ہمارے لئے

وہ نور نور چمکتا ہوا سا اک چہرہ
وہ آئینوں میں حیا حیا ہی ہمارے لئے

دئے جلائے ہوئے ساتھ ساتھ رہتی ہے
تمہاری یاد تمہاری دعا ہمارے لئے

..............................

سائے میں تیرے دھوپ نہائے بصد نیاز
اے چھاؤں چھاؤں شخص تری عمر ہو دراز

اے اپنے رب کے عشق میں دیوانے آدمی
دیوانے تیرے ہم کہ ہوا تو خدا کا ناز

کیوں کر کھلے خدا جو نہ دیکھو وہ آدمی
سجدہ کرے زمیں پہ تو ہو عرش پر نماز

آیا زباں پہ اسم گرامی کہ بس ادھر
پرنم ہوئی وہ آنکھ وہ سینہ ہوا گداز

..............................

علیم صاحب کا تعلق آدمیوں کے جس گروہ سے تھا وہ ایک زندہ خدا کے قائل اور پنی کیفیت میں خدا سے زندہ تعلق رکھنے والے تھے جن کے یہاں خدا کی محبت کے نتیجے میں اس سے ایک ایسا تعلق بن جاتا ہے وہ وہ سمیع خدا مجیب بھی بن جاتا ہے۔

علیم صاحب کو اس تعلق کا خوب ادراک تھا اور اس ادراک کا اظہار ان کے شعر میں جابجا ملتا ہے۔ "ویران سرائے کا دیا" کی آخری غزل اسی آہنگ سے لکھی گئی ہے۔ اس غزل کا استعاراتی اور تلمیحاتی نظام بھی دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے۔

دل ہی تھے ہم دکھے ہوئے تم نے دکھا لیا تو کیا
تم بھی تو بے اماں ہوئے ہم کو ستا لیا تو کیا

آپ کے گھر میں ہر طرف منظر ماہ آفتاب
ایک چراغ شام اگر میں نے جلا لیا تو کیا

باغ کا باغ آپ کی دسترس ہوس میں ہے
ایک غریب نے اگر پھول اٹھالیا تو کیا

لطف یہ ہے کہ آدمی عام کرے بہار کو
موج ہوائے رنگ میں آپ نہا لیا تو کیا

اب کہیں بولتا نہیں غیب جو کھولتا نہیں
ایسا اگر کوئی خدا تم نے بنا لیا تو کیا

جو ہے خدا کا آدمی اس کی ہے سلطنت الگ
ظلم نے ظلم سے اگر ہاتھ ملا لیا تو کیا

آج کی جو ہے کربلا کل پہ ہے اس کا فیصلہ
آج ہی آپ نے اگرجشن منا لیا تو کیا

لوگ دکھے ہوئے تمام رنگ بجھے ہوئے تمام
ایسے میں اہل شام نے شہر سجا لیا تو کیا

علیم صاحب ایک سچے اور کھرے اور محبتیں دینے والے آدمی تھے ان کی نفرتیں بھی عجب تھیں اور ان کی محبتیں بھی کمال تھیں۔ وہ مسیح محمدی کے آسمانی علم سے فیض پا کر لکھتے تھے۔ ہم جب بھی نئے لکھنے والوں کے ہمراہ ان سے ملے تو آپ نے ہمیشہ یہی کہا کہ یہ صدی احمدی شعراء کی صدی ہے احمدی شعراء کو اپنی روایت اور احمدیہ علم کلام کا پورا ادراک کر کے لکھنا چاہئے۔
علیم صاحب کو اس علم کلام کا بھرپور ادراک تھا اور آپ نے اس سے خوب استفادہ کیا۔ ایک غزل کے چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

کمالِ آدمی کی انتہا ہے
وہ آئندہ میں بھی سب سے بڑا ہے

کوئی رفتار ہو گی روشنی کی
مگر وہ اس سے بھی آگے گیا ہے

جہاں بیٹھے صدائے غیب آئی
یہ سایہ بھی اسی دیوار کا ہے

مجسم ہو گئے سب خواب میرے
مجھے میرا خزانہ مل گیا ہے

حقیقت ایک ہے لذت میں لیکن
حکایت سلسلہ در سلسلہ ہے

یونہی حیراں نہیں ہیں آنکھ والے
کہیں ایک آئینہ رکھا ہوا ہے

وصال یار سے پہلے محبت
خود اپنی ذات کا اک راستہ ہے

جدھر دیکھوں میری آنکھوں کے آگے
انہی نورانیوں کا سلسلہ ہے

اس کی ایک اور دلچسپ مثال جامعہ احمدیہ ربوہ میں ہونے والی وہ ایک شعری نشست ہے یہ علیم صاحب کی زندگی میں آخری پبلک نشست تھی جس میں علیم صاحب نے اپنی ایک تازہ غزل سنائی جس کا ایک مصرعہ یہ ہے۔

تو ذرہ ذرہ اس عالم کا ہے زلیخا صفت

آپ نے مصرعہ سنا کر وفور محبت اور نہایت جذب سے پوچھا کہ یہ مضمون پتہ ہے کہ کہاں سے لیا گیا ہے پھر خود اس علم کلام کے سمندر میں غوطہ زن ہوتے ہوئے اور عرفان کے نشہ میں ڈوب کر کہا کہ یہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتاب براہین احمدیہ حصہ پنجم سے لیا گیا ہے۔ ہم اپنے پڑھنے والوں کی روحانی اور بصیرت کے لئے وہ حصہ پیش کرتے ہیں سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں: "صادق المحبت انسان جو سچی محبت خدا تعالیٰ سے رکھتا ہے وہ وہ یوسف ہے جس کے لئے ذرہ ذرہ اس عالم کا زلیخا صفت ھے. اور ابھی حسن اس کا اس عالم میں ظاہر نہیں کیونکہ یہ عالم اس کی برداشت نہیں کرتا۔ خدا تعالیٰ اپنی پاک کتاب میں جو فرقان مجید ہے فرماتا ہے کہ مومنوں کا نور ان کے چہروں پر دوڑتا ہے اور مومن اس حسن سے

شناخت کیا جاتا ہے جس کا نام دوسرے لفظوں میں نور ہے۔" (براہین احمدیہ حصہ پنجم روحانی خزائن جلد ۲۱ صفحہ ۲۲۳۔۲۲۴)

اس غزل کے چند مزید شعر ملاحظہ ہوں۔

نگارِ صبح کی امید میں پگھلتے ہوئے
چراغ خود کو نہیں دیکھتا ہے جلتے ہوئے

وہ حسن کا اس کا بیاں کیا کرے جو دیکھتا ہو
ہر اک ادا سے کئی قد نکلتے ہوئے

وہ موجِ میکدہءِ رنگ ہے بدن اس کا
کہ ہیں تلاطمِ مے سے سبو اچھلتے ہوئے

تو ذرّہ ذرّہ اس عالم کا ہے زُلیخا صفت
چلے جو دشتِ بلا میں کوئی سنبھلتے ہوئے

یہ روح کھنچتی چلی جا رہی ہے کس کی طرف
یہ پاؤں کیوں نہیں تھکتے ہمارے چلتے ہوئے

اسی کے نام کی خوشبو سے سانس☆ چلتی رہے
اسی کا نام زباں پر ہو دم نکلتے ہوئے

خیال و خواب کے کیا کیا نہ سلسلے نکلے
چراغ جلتے ہوئے آفتاب ڈھلتے ہوئے

اندھیرے ہیں یہاں سورج کے نام پر روشن
اجالوں سے یہاں دیکھے ہیں لوگ جلتے ہوئے

اتار ان میں کوئی اپنی روشنی یارب
کہ لوگ تھک گئے ظلمت سے اب بہلتے ہوئے

وہ آرہے ہیں زمانے تم بھی دیکھو گے
خدا کے ہاتھ سے انسان کو بدلتے ہوئے

وہ صبح ہو گی تو فرعون پھر نہ گزریں گے
دلوں کو روندتے انسان کو مسلتے ہوئے

..............................................

علیم صاحب کو جاننے والے جانتے ہیں کہ ان کی محبتیں ان کے وجود کے اندر سے پھوٹتی تھیں وہ اپنے ضمیر کی زندہ آواز تھے کسی ملامت کی پرواہ کئے بغیر وہ زندہ رہے۔ ان کے اندر آج کے آدمی کی شکست و ریخت دیکھ کر ایک ایسی کیفیت پیدا ہوتی جو ان کو نت نئے انداز میں بات کہنے پر مجبور کرتی اور یہ کیفیت اس شجر برگزیدہ کی صفت بھی ہے جس کی وہ ایک شاخ تھے۔

علیم صاحب جانتے تھے کہ آج کا انسان اپنے گھر سے دور اور معاشی تگ و دو میں اس قدر محو ہے کہ نہ چاہتے ہوئے بھی بسا اوقات اپنا گھر توڑ بیٹھتا ہے اور اس میں بسا اوقات اس کو کچھ پتہ بھی نہیں چلتا کہ کیا ہو گیا ہے۔

اس کیفیت کا اظہار ان کی ایک غزل سے ہوتا ہے۔

باہر کا دھن آتا جاتا اصل خزانہ گھر میں ہے
ہر دھوپ میں جو مجھے سایا دے وہ سچا سایا گھر میں ہے

☆سانس کو مذکر اور مؤنث دونوں طرح بولتے ہیں

پاتال کے دکھ وہ کیا جانیں جو سطح پہ ہیں ملنے والے
ہیں ایک حوالہ دوست مرے اور ایک حوالہ گھر میں ہے

مری عمر کے اک اک لمحے کو میں نے قید کیا ہے لفظوں میں
جو ہارا ہوں یا جیتا ہوں وہ سب سرمایہ گھر میں ہے

تو ننھا منا ایک دیا میں ایک سمندر اندھیارا
تو جلتے جلتے بجھنے لگا اور پھر بھی اندھیرا گھر میں ہے

کیا سوانگ بھرے روٹی کے لئے عزت کے لئے شہرت کے لئے
سنو شام ہوئی اب گھر کو چلو کوئی شخص اکیلا گھر میں ہے

اک ہجر زدہ بابل پیاری تیرے جاگتے بچوں سے ہاری
اے شاعر کس دنیا میں ہے تو تیری تنہا دنیا گھر میں ہے

دنیا میں کھپائے سال کئی آخر میں کھلا احوال یہی
وہ گھر کا ہو یا باہر کا ہر دکھ کا مداوا گھر میں ہے

ایک اور غزل میں کہتے ہیں :

کھا گیا انساں کو آشوب معاش
آگئے ہیں شہر بازاروں کے بیچ

علیم صاحب کے اب تک دو مجموعہ ہائے کلام آچکے ہیں پہلا ﴿چاند چہرہ ستارہ آنکھیں﴾اور دوسرا﴿ویران سرائے کا دیا﴾

چاند چہرہ کو تو پاکستان کا سب سے وقیع ادبی انعام بھی مل چکا ہے یعنی آدم جی پرائز۔

دونوں مجموعوں پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سارے کا سارا انتخاب ہی ہے۔ اور یہ انتخاب دوسرے شعراء کی طرح کا انتخاب نہیں کہ ہزاروں غزلوں نظموں اور شعروں کو لیکر بیٹھ گئے اور انتخاب کر لیا بلکہ علیم صاحب تو لکھتے ہی منتخب تھے ان کا تو ہر شعر ہی انتخاب ہے ایک ایسا انتخاب جس کے ہر شعر پر بات کی جا سکتی ہے اور کہی جا سکتی ہے۔

اور اب میں اپنی اس تحریر کو اس خط پر ختم کرتا ہوں جو حضرت امام جماعت احمدیہ خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ نے اپنے دست مبارک سے علیم صاحب کو مورخہ ۱۸ مارچ ۱۹۹۳ء کو لکھا۔ اس سے بڑھ کر علیم صاحب کو کیا خراج تحسین پیش کیا جا سکتا ہے علیم صاحب تو مملکت شعر کی خدائی کا تاج سر پر سجا کر بیٹھے دیکھے جا سکتے ہیں

حضور ایدہ اللہ نے تحریر فرمایا :

﴿کیا پہلے آپ نے کچھ کم ظلم کیا تھا جب غالب کو خود اسی کی شعری زمیں میں مات دے دی کہ اب نثری زمین میں بھی اس کے پسندیدہ اکھاڑے یعنی خطوں کے احاطہ میں اس کا نام مٹی میں ملانے کے درپے ہیں۔

کبھی میں آپ کی اس نظم کو دیکھتا ہوں اور کبھی اس خط کو ۔ خدا کی قدرت ہے کہ دونوں ہی یکے بعد دیگرے میرے گھر میں آئے اور دل میں مقام کر گئے۔ ماشاء اللہ چشم بد دور۔

آپ اس زمانہ میں پیدا ہوئے اور اس زمانے کے مخلوق میں جا ملے جو میر تقی میر سے غالب کے وقت تک اور کچھ عرصہ بعد اس غروب ہوتے ہوئے زمانے کی شفق میں دکھائی دیا کرتی تھی۔

آپ کا روپ اور کیفیتیں بدلتا ہوا خط تو ماشاء اللہ چشم بد دور۔ ایک بھرپور جوانی سے اٹھلاتی ہوئی پیچ و خم کھاتی ہوئی پہاڑی ندی کی طرح ہے۔ ہر مشکل مقام پر اور پھر جاتی ہے ہر تنگی اسے کچھ اور ابھارتی اور اچھالتی ہے۔ دیو

ہیکل چٹانیں جہاں راہ روکے کھڑی ہوں وہاں پہلے سے بھی بڑھ کر خود اعتمادی اور جوش اور قوت کے ساتھ اس کے پچوں بیچ سنگلاخ زمینوں میں گہرے گھاؤ ڈالتی ہوئی چٹانوں کے سینے چیرتی ہوئی اپنی راہ بناتی ہوئی آگے بڑھتی ہے۔ پر ہیبت چٹانوں کو ہیبت زدہ دیکھنا ہو تو کوئی وہاں دیکھے جہاں بلندیوں سے اترتے ہوئے پانیوں کا جلال اور گرجتی غراتی شور مچاتی لہروں کے تھپیڑوں سے چٹانوں کے منہ پھرتے اور بدن کانپتے ہیں۔ پہاڑ لرزتے اور کنارے تھرتھراتے ہیں صاف دکھائی دیتا ہے کہ پہاڑ اور روانی کی قوتوں کو جمود کی طاقتوں پر کیسا افتخار بخشا گیا ہے اور کیسی فوقیت عطا کی گئی ہے۔

پھر وہ ندی جب بازو پھیلائے ہوئے کشادہ دل وادیوں کی منکسر مزاج سرزمین میں داخل ہوتی ہے تو کیسے اس کے ماتھے کے بل ان پیار کی راہوں پر بچھ جاتے ہیں اور وہ جلال کا جبہ اتار کر جمال کی چادر اوڑھ لیتی ہیں اور اس کی نوروں نہلائی ہوئی قامت گلزار اپنے پیار کی باہیں وادی کے ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک پھیلا دیتی ہے اور جھک جھک کر اپنے قدموں پر نثار وادی کے بوسے لیتی ہے وہاں ادب کی راجدھانی میں ہلکے سروں میں سرگوشیوں میں باتیں ہوتی ہیں۔ یہ پانی کناروں سے باہر دور تک پھیلا ہوا سبزہ و گل کا حسن بھی اپنے سینے میں اتار کر پہلو میں لئے ہوئے چلتے ہیں یہ وہ مقامات ہیں جہاں عشق کا عرفان فلسفے کے لاینحل مسائل کو حل کرتا ہے جہاں ماؤ تو کے فاصلے مٹ جاتے ہیں اور من تو شدم تو من شدی کا وجدان نصیب ہوتا ہے یہ کنارے کا حسن اپنے پہلو میں بہتے ہوئے سیال شیشے میں اتر آتا اور حسن فطرت آئینوں کو آئینے دکھاتا ہوا ایک عجیب شان محبوبی اور ادائے دلبری کے ساتھ آگے بڑھتا ہے۔

اس زمانے میں حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کی آسمان سے اترتی ہوئی تحریر سے بڑھ کر ایسا جلال اور جمال میں نے اور کہیں نہیں دیکھا جو بعینہٖ پہاڑی ندی کے بے ساختہ خودرو ادلتے بدلتے مناظر پیش کرتا ہو۔

یہ پاکیزہ فصاحت و بلاغت تو صرف ان سچے پانیوں کو نصیب ہو سکتی ہے جو ہر قسم کے تصنع اور تکلف کی آمیزش سے پاک ہوں۔ جب یوں ہو تو نور اور پانی ایک ہی چیز کے دو نام بن جاتے ہیں الہام اور تحریر میں فرق نہیں رہتا۔

لیکن اس سے اتر کر اور بھی کئی بلند مقامات ہیں۔ آپ کو بھی ایک مقام امتیاز و افتخار بخشا گیا ہے جو اس دور میں آپ ہی کا حصہ ہے۔ نظم ہو یا نثر آپ کی تحریر اگر نور نہیں تو نوروں نہلائی ہوئی ضرور ہے۔ آپ کی تحریر کا پانی بھی بلندیوں سے اترتا ہے اور ہر مشکل مقام میں جولانی دکھاتا ہے۔

مجھے یاد نہیں کہ کیوں اور کب اور کس جگہ مگر یہ یاد ہے کہ آپ کا خط پڑھتے ہوئے کسی وقت یہ شعر میری زبان پر جاری ہو گیا۔

دجلہ را امروز رفتار عجب مستانہ ایست
پائے در زنجیر کف بر لب مگر دیوانہ ایست

# پروگرام ہائیکنگ کلب آف پاکستان جولائی' اگست 1998ء

مجلس خدام الاحمدیہ پاکستان کے زیرانتظام امسال ہائیکنگ کلب پاکستان درج ذیل پروگرام کے مطابق گروپس بھجوا رہا ہے۔

یہ تمام ٹریکس 15 سال سے 35 سال کی عمر کے خدام کر سکتے ہیں جنہوں نے کبھی ٹریکنگ نہ کی ہو وہ بھی ان میں شامل ہو سکتے ہیں۔فی کس فی یوم اندازہ خرچ -/225 روپے ہے۔

| نمبر شمار | نام ٹریک | تواریخ |
|---|---|---|
| 1 | دودی پت جھیل | یکم تا 8 جولائی |
| 2 | بانس گلی | // // // |
| 3 | سپت گلی | // // // |
| 4 | موسیٰ کا مصلیٰ | 12 تا 19 جولائی |
| 5 | ملکہ پربت راؤنڈ | 22 تا 29 جولائی |

18 سال سے 35 سال کی عمر کے وہ خدام جو ٹریکنگ کا تجربہ رکھتے ہوں شامل ہو سکتے ہیں۔فی کس فی یوم اندازہ خرچ -/275 روپے دہے۔

| نمبر شمار | نام ٹریک | تواریخ |
|---|---|---|
| 1 | اواریلی | 4 تا 12 اگست |
| 2 | کچی کنی | // // // |
| 3 | دیانتر | 18 تا 28 اگست |
| 4 | مزینوپاس | 18 تا 30 اگست |
| 5 | ملتر | 15 تا 25 اگست |

10 سال سے بڑی عمر کے اطفال کی کیمپنگ کے کورسز 5 دن پر مشتمل ہونگے۔ایک فرد کیلئے اندازہ خرچ فی یوم تقریباً -/200 روپے ہے۔

| نمبر شمار | نام ٹریک | تواریخ |
|---|---|---|
| 1 | لالہ زار | 4 تا 8 جولائی |
| 2 | شوگران | 25 تا 29 جولائی |
| 3 | ناران سیف الملوک | // // // |

خواہشمند خدام اپنی مجوزہ تواریخ اور پروگرام سے کم از کم دو ہفتہ قبل ہائیکنگ کلب کے درج ذیل نمائندگان سے یا براہ راست مرکز سے رابطہ قائم فرمائیں۔

| | | | |
|---|---|---|---|
| ربوہ | مکرم منصور احمد صاحب | کوارٹر نمبر 39 تحریک جدید ربوہ۔ | PH.211721 |
| لاہور | مکرم موید ایاز احمد صاحب | 69 چوبرجی پارک لاہور۔ | PH.7418848 |
| پشاور | مکرم ملک لمعان الحق صاحب | پوسٹ بکس نمبر 1118 پشاور کینٹ۔ | PH.271808 |
| | دفتر خدام الاحمدیہ پاکستان | ایوان محمود ربوہ | PH.212349 |

خاکسار۔ شبیر احمد ثاقب۔ فون گھر : 213089۔ انچارج ہائیکنگ کلب پاکستان۔ مجلس خدام الاحمدیہ پاکستان

# نوٹس

# تحریک وقف زندگی و داخلہ جامعہ احمدیہ 1998ء

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی (اللہ تعالیٰ آپ سے راضی رہے) وقف اور جامعہ احمدیہ میں داخلہ کے متعلق فرماتے ہیں۔

"میں جماعت کو دعوت دیتا ہوں کہ وہ اپنے اخلاص کا ثبوت دے اور نوجوان زندگیاں وقف کریں۔ ہر احمدی گھر سے ایک نوجوان ضرور اس کام کیلئے پیش کیا جائے۔ مدرسہ احمدیہ میں داخلہ کیلئے ہر سال کم از کم پچاس طالبعلم آنے چاہئیں۔ سو ہوں تو بہتر ہے۔"

حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ جامعہ احمدیہ میں طلباء کی تعداد دیکھتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"جس تعداد میں جامعہ احمدیہ میں نوجوان داخل ہوتے ہیں اور باقاعدہ مربی بنتے ہیں اسے دیکھتے ہوئے میں سمجھتا ہوں کہ ہماری ضروریات کے ہزارویں حصہ کو بھی پورا نہیں کرتے۔"

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

"آئندہ سو سالوں میں دین حق نے جس کثرت سے ہر جگہ پھیلنا ہے اس کے لئے لاکھوں تربیت یافتہ غلام چاہئیں۔ ایسے واقفین زندگی چاہئیں جو خدا کی راہ میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام ہوں۔ ہر طبقہ زندگی سے کثرت کے ساتھ واقفین زندگی چاہئیں۔"

جامعہ احمدیہ میں طلبہ کی تعداد بڑھانے کیلئے مجلس مشاورت 1961ء کا فیصلہ ہے کہ:۔

"ہر ضلع کی جماعت 250 چندہ دہندگان پر کم از کم ایک میٹرک پاس طالبعلم جامعہ احمدیہ میں برائے تعلیم بھجوائیں۔"

امراء و صدر صاحبان مربیان و معلمین سلسلہ سے درخواست ہے کہ اپنے حلقہ سے زیادہ سے زیادہ ذہین ہونہار خدمت دین کا شوق رکھنے والے مخلص طلباء کو جامعہ احمدیہ میں بھجوانے کی کوشش فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کی مساعی میں زیادہ سے زیادہ برکت عطا فرمائے۔

جامعہ احمدیہ ربوہ میں داخلہ کیلئے واقفین زندگی طلباء کا انٹرویو میٹرک کے نتیجہ کے بعد 16 اگست 1998ء کو ہوگا۔ امیدواران کو ہدایت فرمائیں کہ وہ داخلہ کیلئے ابھی سے اپنی درخواست مقامی جماعت کے امیر/صدر صاحب کی وساطت سے وکالت دیوان تحریک جدید ربوہ کو بھجوائیں تاکہ ضروری کارروائی مکمل کی جائے اور میٹرک کا نتیجہ نکلنے کے فوراً بعد اپنے نتیجہ سے اطلاع دیں۔ امیدواران قرآن کریم ناظرہ صحت کے ساتھ پڑھنا سیکھیں۔ روزانہ قرآن کریم کی تلاوت کرتے رہیں۔ دینی معلومات اور معلومات عامہ کو بہتر بنائیں۔

نوٹ:۔ حضور ایدہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد کی روشنی میں تحریر ہے کہ امیدواران کی اخلاقی، دینی حالت کے متعلق مطلوبہ رپورٹ بھجواتے وقت انتہائی تحقیق اور نگرانی ضرورت ہے۔ (وکیل الدیوان تحریک جدید ربوہ)

# سیرت حضرت حافظ روشن علی صاحب

(ترتیب و تلخیص احمد طاہر مرزا صاحب)

۱۹۷۰ء کے عشرہ میں مکرم شیخ محمد یونس صاحب نے مقالہ ھذا تحریر کیا جس کے نگران مکرم و محترم مولانا محمد منور صاحب مرحوم تھے۔ ۲۵۰ صفحات پر مشتمل پانچ ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے۔

## باب اول

خاندانی حالات بچپن تا وفات' قبول احمدیت کے واقعات' زیارت حضرت مسیح موعود وغیرہم کے مضامین شامل ہیں۔ نیز آپ کے بارہ میں مختلف احباب کے تاثرات اور آراء شامل ہیں۔

## باب دوم

آنمکرم کی خدمات جلیلہ اور جماعتی انتظامات کے سلسلہ میں خدمات شامل تذکرہ کی گئی ہیں۔

## باب سوم

آپ کے اوصاف حسنہ' اخلاق فاضلہ اور آپ کی زھد و عبادت کے واقعات شامل ہیں۔

## باب چہارم

آپ کے علمی کارنامے اور علمی کاوشوں پر مشتمل ہے۔

## باب پنجم

روایات پر مشتمل ہے۔ حضرت حافظ روشن علی صاحب سے مروی روایات کو جمع کیا گیا ہے جس کے ماخذ الفرقان' سیرت المہدی اور سیرت احمد ہیں فاضل مقالہ نگار نے کتابیات یعنی مراجع و مصادر میں بہت قیمتی جماعتی ماخذ کا ذکر کیا ہے جن میں متعدد کتب کے علاوہ اخبار البدر' الحکم' الفاروق' الفرقان کے علاوہ رپورٹس مجلس مشاورت' اصحاب احمد' تاریخ احمدیت' رجسٹر روایات' فتاویٰ احمدیہ نیز سیرت و سوانح پر مبنی اہم کتب شامل ہیں۔

## مختصر سوانح حیات

حضرت حافظ روشن علی صاحب رنمل تحصیل پھالیہ ضلع گجرات میں ۱۸۸۳ء یا ۱۸۸۴ء میں پیدا ہوئے۔ والد ماجد کا اسم گرامی میراں بخش تھا۔ قرآن مجید حضرت حافظ غلام رسول وزیر آبادی سے حفظ کیا۔ ۳۵ سال کی عمر میں آپ کے والد ماجد کا انتقال ہو گیا۔ بعد میں آپ وزیر آباد منتقل ہو گئے۔ آپ سید نوشہ شاہ صاحب (مشہور صوفی بزرگ) کی نسل میں سے تھے۔ بچپن میں آپ کو تکلیف کی وجہ سے ایک آنکھ سے نظر آنا کم ہو گیا تھا تاہم اتنی بینائی قائم تھی کہ دیکھ لیتے اور موٹے الفاظ والا قرآن مجید پڑھ لیتے۔

آپ نے چار شادیاں کیں۔ آپ کے ہاں صرف ایک بیٹی پیدا ہوئی جو مکرم حافظ مبارک احمد صاحب کے عقد میں آئیں۔

## قبول احمدیت

آپ کو تقریباً سولہ سال کی عمر میں حضرت حافظ غلام رسول صاحب وزیر آبادی نے زیارت کیلئے قادیان بھجوا دیا۔ ایک تحقیق کی رو سے آپ نے ۱۸۹۹ء میں زیارت کا شرف حاصل کیا اور بیعت کی۔

اور شرف صحبت ۱۹۰۰ء میں حاصل ہوا۔

## وفات

آپ کا وصال ۷۴ سال کی عمر میں جنوری ۱۹۲۹ء کو ہوا جس پر حضرت خلیفتہ المسیح الثانی نے تعزیتی پیغام بھی بھجوایا۔

## حضرت خلیفتہ المسیح الثانی کا تعزیتی پیغام

یہ تعزیتی پیغام "الفضل" میں شائع ہوا۔ چند اقتباسات پیش ہیں۔

"چونکہ ہماری جماعت ہمارے پیارے اور معزز بھائی کی خدمات کی بہت زیادہ ممنون ہے اس لئے میں درخواست کرتا ہوں کہ تمام دنیا کی احمدی جماعتیں آپ کا جنازہ پڑھیں۔ یہ آخری خدمت ہے جو اپنے مرحوم بھائی کی ہم کر سکتے ہیں۔ لیکن یہ بدلہ ان بیش قیمت خدمات کے بارہ میں کیا حیثیت رکھتا ہے جو انہوں نے (دین حق) کیلئے کی ہیں۔ پھر فرمایا

بے نفس انسان تھے میں نے ان کے اندر وہ روح دیکھی۔ جسے اپنی جماعت میں پیدا کرنے کی حضرت بانی سلسلہ نے خواہش کی تھی۔ ان میں (دعوت الی اللہ) کے متعلق ایسا جوش تھا کہ کچھ کہلوانے کے محتاج نہ تھے اور حافظ صاحب مرحوم کو میں نے دیکھا ہے کہ وہ سمجھتے تھے کہ خدا تعالیٰ نے امام کو مقرر کیا ہے مگر مومن کا فرض ہے کہ وہ ہر کام کی نگہداشت کرے اور اپنے آپ کو ذمہ دار سمجھے۔ یہ ان میں نہایت ہی قابل قدر خوبی تھی۔ اور اس کا انکار کرنا ناشکری ہوگی۔ یہ خوبی پیدا کئے بغیر جماعت ترقی نہیں کر سکتی کہ ہر شخص محسوس کرے کہ سب کام مجھے ہی کرنا ہے۔ ایسے ہی لوگوں کے متعلق حضرت بانی سلسلہ احمدیہ نے فرمایا تھا کہ "اگر مجھے چالیس صاحب ایمان میسر آجائیں تو میں ساری دنیا کو فتح کرلوں" یعنی ان میں سے ہر ایک محسوس کرے کہ مجھ پر ہی جماعت کی ذمہ داری ہے اور میرا فرض ہے کہ ساری دنیا کو فتح کروں۔"

حضرت مولانا جلال الدین صاحب شمس فرماتے ہیں۔

"آپ کے ساتھ میں نے ویل، مونگھیر، بھوپال، ڈیرہ دون، ساہیوال، پٹیالہ، سیالکوٹ، لاہور، نارووال، گجرات، جلال پور جٹاں، مالیر کوٹلہ وغیرہ شہروں کا دورہ کیا۔ مگر ایک دفعہ بھی مجھے کسی قسم کی شکایت کا موقع نہیں ملا......" (روزنامہ الفضل ۲۶ مئی ۱۹۲۹ء صفحہ ۲)

۱۹۱۱ء میں انصار اللہ کی ابتدائی تنظیم خلیفتہ المسیح الاول کی منظوری سے قائم ہوئی اس کے صدر حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب (خلیفتہ المسیح الثانی) اور سیکرٹری حضرت حافظ روشن علی صاحب تھے۔ اس انجمن کے اہم فرائض میں سے دعوت الی اللہ کے کام کو وسیع کرنا، جماعت کی تعلیمی حالت کو ترقی دینا، باہمی اتحاد پیدا کرنا، ذکر الٰہی پر زور دینا اور امام وقت کی اطاعت کرنا شامل تھے۔

۱۹۱۲ء میں حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب کے ساتھ حضرت حافظ روشن علی صاحب (کل چھ رکنی کمیٹی) نے بھی ہندوستان کی عربی درسگاہوں کا دورہ کیا اور سلسلہ احمدیہ کی ترقی کے سلسلہ میں نصاب اور طرز تعلیم کے متعلق معلومات مہیا کیں۔ یہ وفد لکھنؤ، کانپور، دہلی، سہارنپور اور مدارس کے علاوہ دیو بند بھی گیا۔ (الحکم ۱۰، ۱۲ ستمبر ۱۹۱۲ء)

## بہترین مناظر

سیدنا حضرت خلیفتہ المسیح الثانی اس ضمن میں فرماتے ہیں۔

"بہترین مباحث یا مناظر جو کہ عمدہ اثر چھوڑنے والے ہیں ان میں ایک حافظ روشن علی صاحب ہیں اور مولوی اللہ دتہ (ابو العطاء صاحب) ہیں اور مولوی غلام احمد صاحب (بدوملہوی) ہیں اور میر قاسم علی صاحب ہیں۔"

(رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۲۷ء صفحہ ۴۶)

حضرت میر محمد اسحق صاحب نور اللہ مرقدہ فرماتے ہیں:-

"حضرت حافظ صاحب نے ہندوستان کے قریباً تمام علاقوں کے

دورے کئے اور ہندوستان کے علاوہ آپ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کے ہمراہ شام، مصر اور یورپ کے بعض ممالک سے بھی ہو کر آئے۔ ملک شام میں حضرت حافظ صاحب کی تقریروں اور مباحثوں کی دھوم مچ گئی۔ آپ سلسلہ عالیہ احمدیہ کے مفتی اور قاضی بھی تھے۔"
(الفضل ۳۰ جون ۱۹۲۹ء)

## دیگر دینی خدمات

آپ نے محکمہ قضاء صدر انجمن احمدیہ، نظارت تالیف و اشاعت، مجلس شوریٰ اور بعض اور جماعتی اداروں میں اپنی خدمات پیش کیں۔ آپ کی سلسلہ عالیہ احمدیہ کے لئے جو نمایاں خدمات ہیں ان میں بہت بڑا حصہ مباحثات اور مناظرات کا ہے اور بیسیوں مواقع پر آپ نے جماعت کی نمائندگی کی۔ ایک لمبے عرصہ تک آپ بیت مبارک قادیان میں درس قرآن دیتے رہے۔ آپ نے قرآن مجید کا ترجمہ بھی کیا جسے مقبولیت حاصل ہوئی۔ تقریباً ہر جلسہ سالانہ پر تقریر کرتے۔ آپ کے زیادہ تر موضوع سیرت حضرت مسیح موعود و صداقت مسیح موعود رہے ہیں۔ ایک لمبے عرصے تک آپ مبلغین کلاس کے استاد رہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کے ارشاد پر آپ نے ایک کتاب مرتب فرمائی۔ جس میں تین مضامین پر بحث کی گئی جو غیر معمولی اہمیت کے حامل تھے۔ ان خدمات کے علاوہ آپ کی سماجی اور انتظامی خدمات کا بھی کثیر ذخیرہ ہے۔ جس کے احاطہ کے لئے علیحدہ باب کی ضرورت ہے۔

## آل مسلم پارٹیز میں شرکت

جولائی ۱۹۲۵ء میں آپ نے آل مسلم پارٹیز کانفرنس امرتسر میں شرکت کی اور آپ سبجیکٹ کمیٹی کے صدر چنے گئے۔
(الفضل جولائی ۱۹۲۸ء)

## انجمن اسلامیہ جموں اور مبلغ قادیان

مارچ ۱۹۲۲ء کو انجمن اسلامیہ جموں نے اپنے جلسہ سالانہ کے لئے قادیان سے حضرت حافظ روشن علی صاحب اور حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب نیر کو بلوایا۔ جلسہ کے پہلے روز مکرم حافظ صاحب نے حقیقت اسلام پر تقریر کی۔ اس تقریر سے سامعین پر وجد کی سی کیفیت طاری ہو گئی۔ آپ کی تقریر پر خواجہ حسن نظامی نے جو ریمارکس دئے وہ طویل ہیں۔ جن میں سے ایک فقرہ یہ تھا۔
"جیسا ان کا نام روشن ہے ویسا ہی ان کا کام روشن ہے۔"

## زریں واعظ

حضرت مولانا ابوالعطاء صاحب کو جنہیں آپ سے شرف تلمذ حاصل رہا ہے نصیحت فرمائی کہ دوسروں کے کندھوں پر بندوق رکھ کر چلانا مردوں کا کام نہیں تم یہ مت خیال کرو کہ وہاں فلاں چلا جائے گا تم خود اپنے آپ کو اکیلے ذمہ دار سمجھو۔ جب تک تم میں یہ روح پیدا نہ ہو تم کامیاب نہیں ہو سکتے۔ (الفضل ۹ مئی ۱۹۳۰ء صفحہ ۷)

## غیر معمولی حافظہ

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی فرماتے ہیں۔
"کوئی بیس سال کا عرصہ ہوا ہے میں لاہور گیا مجھ سے آریوں کے مشہور لیڈر لالہ رام بھجدت...... ملنے کے لئے آئے۔ ان کے ساتھ کچھ اور صاحبان بھی تھے۔ جن میں "شیر پنجاب" جو سکھوں کا مشہور اخبار ہے اس کے ایڈیٹر صاحب بھی تھے۔ اتفاق سے اس دن میرا لیکچر تھا۔ مجھے سارا دن کام کی وجہ سے حوالے نکالنے کا بھی موقع نہ ملا تھا۔ اس لئے حافظ روشن علی صاحب جو آیات نکالنے کا خاص ملکہ رکھتے تھے۔ سٹیج پر بٹھالیا اور کہا کہ میں آپ کو مضمون بتاتا جایا کروں گا آپ مجھے آیات کے الفاظ بتاتے جایا

کریں۔ خیر میں نے لیکچر شروع کیا۔ جہاں کسی آیت سے استدلال کی ضرورت پیش آتی۔ میں آیت سے دو ایک لفظ پڑھ دیتا یا مضمون بتا دیتا اور وہ ساری آیت پڑھ دیتے تھے۔ میں اسے پڑھ کر جو استدلال پیش کرنا ہوتا تھا بیان کر دیتا۔"

(تفسیر کبیر جلد سوم صفحہ ۴۴۷)

اب آخر میں چند واقعات اور روایات پیش کی جا رہی ہیں۔ جن کا تعلق حضرت حافظ روشن علی صاحب سے بالواسطہ یا بلاواسطہ بنتا ہے۔

## روایات واقعات

۱۹۲۴ء میں آپ حضرت خلیفتہ المسیح الثانی کی معیت میں انگلستان تشریف لے گئے۔ دوران سفر حضور کا قیام دمشق کے ایک ہوٹل میں کیا گیا وہاں پر دمشق کے علماء و مشائخ تشریف فرما تھے۔ چنانچہ شیخ عبدالقادر مغربی (نائب صدر عربی اکیڈمی دمشق) نے متعدد بار اس امر کا ذکر کیا کہ اس قافلہ میں جو عالم اپنی آنکھوں پر عینک لگائے ہوئے ہے۔ غیر معمولی لیاقت کا مالک ہے۔ علماء دمشق کے مطالبہ پر حضرت حافظ روشن علی صاحب نے سیدنا حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کی مشہور کتاب "خطبہ الہامیہ" انہیں پڑھ کر سنائی۔ اس پر علماء دمشق رطب اللسان ہوئے اور آپ کے علم و فضل کے تذکرے کرنے لگے۔

(خلاصہ روایت از شیخ نور احمد منیر صاحب)

## بڈھا مل اور منارۃ المسیح

جب منارۃ المسیح کے بننے کی تیاری ہوئی تو قادیان کے لوگوں نے افسران گورنمنٹ کے پاس شکایتیں کیں کہ اس منار کے بننے سے ہمارے مکانوں کی پردہ دری ہو گی۔ چنانچہ گورنمنٹ کی طرف سے ایک ڈپٹی قادیان آیا اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ساتھ والے حجرہ میں ملا۔ اس وقت قادیان کے بعض لوگ جو شکایت کرنے والے تھے وہ بھی اس کے ساتھ تھے۔ حضرت صاحب نے ڈپٹی کو مخاطب کر کے فرمایا آپ اس (یعنی بڈھامل) سے پوچھ لیں کہ بچپن سے لیکر آج تک کیا کبھی ایسا ہوا ہے کہ اسے فائدہ پہنچانے کا مجھے موقع ملا ہو اور میں نے اسے فائدہ پہنچانے میں کوئی کسر رکھی ہو اور پھر اس سے پوچھیں کہ کیا کبھی ایسا موقع ہوا ہے کہ مجھے تکلیف پہنچانے کا اسے کبھی موقع ملا ہو اور اس نے تکلیف پہنچانے میں کبھی کوئی کسر باقی رکھی ہو۔ حافظ صاحب فرماتے ہیں کہ میں اس وقت اس بڈھے مل کی طرف دیکھ رہا تھا اس کا سر شرم کے مارے نیچے زانوں پر جھک گیا تھا اور چہرہ کا رنگ سفید پڑ گیا تھا اور وہ ایک لفظ بھی منہ سے نہ بول سکا۔

(سیرت المہدی حصہ اول صفحہ ۱۵۴-۱۵۲)

## مائدہ میں برکت

حضرت حافظ صاحب نے بیان کیا کہ مجھ سے ڈاکٹر (میر) محمد اسماعیل صاحب نے بیان کیا کہ ایک مرتبہ کوئی جلسہ وغیرہ کا موقع تھا۔ اور ہم لوگ حضرت مسیح موعود کے پاس بیٹھے ہوئے تھے اور مہمانوں کے لئے باہر پلاؤ زردہ پک رہا تھا کہ حضرت صاحب کے واسطے اندر سے کھانا آگیا۔ ہم سمجھتے تھے کہ یہ کھانا بہت عمدہ ہو گا لیکن دیکھا تو بہت تھوڑا اور بہت سادہ تھا۔ اور صرف ایک آدمی کے کھانے کی مقدار جتنا تھا۔ حضور نے ہم لوگوں سے فرمایا آپ بھی کھانا کھالیں۔ چنانچہ ہم بھی شامل ہو گئے۔ حافظ صاحب بیان کرتے ہیں کہ ڈاکٹر محمد اسماعیل صاحب نے بیان کیا کہ اس کھانے سے ہم سیر ہو گئے۔ حالانکہ ہم بہت سے آدمی تھے۔ (سیرۃ المہدی جلد ۱ صفحہ ۲۷)

## حضرت سید احمد بریلوی کے ایک معمر شاگرد

حضرت حافظ صاحب نے بیان کیا کہ جب میں شروع شروع میں

قادیان آیا تو اس کے چند دن بعد ایک بہت بڑا معمر شخص بھی یہاں آیا تھا۔ یہ شخص حضرت سید احمد بریلوی کے شاگردوں میں سے تھا اور بیان کرتا تھا کہ میں سید صاحب کے ساتھ حج میں ہمرکاب تھا اور جنگوں میں بھی آپ کے ساتھ رہا اور اپنی عمر تقریباً سوا سو سال بتاتا تھا۔ قادیان میں آکر اس نے حضور کی بیعت کی۔ یہ شخص دیانتدار اور تہجد گزار تھا۔ دو چار دن کے بعد وہ قادیان سے واپس جانے لگا تو حضرت صاحب سے اجازت چاہی۔ تو آپ نے فرمایا کہ اتنی جلدی کیوں جاتے ہیں۔ کچھ عرصہ مزید قیام فرماویں۔ اس نے عرض کیا حضور میں آپ کے لئے موجب تکلیف نہیں بننا چاہتا۔ تو حضور نے فرمایا ہمیں خدا کے فضل سے کوئی تکلیف نہیں آپ مزید ٹھہریں۔ ہم سب انتظام کر سکتے ہیں۔ چنانچہ ڈیڑھ دو ماہ ٹھہرا اور پھر چلا گیا۔ ایک دفعہ دوبارہ بھی قادیان آیا تھا۔ پھر اس کے بعد وہ فوت ہو گیا۔

(سیرۃ المہدی حصہ اول صفحہ ۱۲۱)

## استاد اور شاگرد

ایک دفعہ حضرت حافظ صاحب نے فرمایا کہ ہمیں تو اپنے شاگرد جان سے بھی زیادہ پیارے ہیں۔ ایک دن حضرت حافظ صاحب سے دریافت کیا کہ آپ کو کس قدر زبانی اشعار یاد ہیں۔ فرمایا پہلے تو ہزاروں عربی اشعار یاد تھے۔ مگر اب حافظہ کمزور ہو گیا ہے۔ بہت سے بھول گئے ہیں۔ حضرت حافظ صاحب سے صحاح ستہ کے علاوہ موطا امام مالک بھی پڑھ چکے تھے تو آپ نے کلاس کی پر تکلف دعوت کی اور اپنے دست مبارک سے لوٹا اٹھا کر ہمارے ہاتھ دھلائے اور بڑے خوش تھے کہ ہم نے اپنے آقائے نامدار کا کلام پڑھ لیا ہے۔ اللہ اللہ کجا وہ محبت اور تعلق جو اساتذہ اور شاگردوں کے مابین تھا۔ اب تو خواب کا نظارہ معلوم ہوتا ہے۔ (الفضل ۳۰ جون ۱۹۱۴ء)

## سلطان القلم

حضرت حافظ صاحب نے بیان کیا کہ حضرت صاحب نے جب "یا ارض مد" والا قصیدہ لکھا تو اس میں لفظ "یا" کو بطور نداء استعمال کیا۔ جب حضرت صاحب نے دوبارہ پڑھا تو حضرت خلیفتہ المسیح الاول سے دریافت کیا کہ لفظ "یا" نداء کیلئے استعمال ہو جاتا ہے۔ تو عرض کیا حضور بہت مشہور ہے۔ فرمایا شعر میں لکھا گیا ہے۔ ہمیں معلوم نہیں تھا۔ نیز حافظ صاحب فرماتے ہیں کہ کئی دفعہ حضرت صاحب فرماتے تھے کہ بعض الفاظ ہمارے قلم سے خود بخود لکھے جاتے ہیں اور ہمیں اس کے معنے معلوم نہیں ہوتے۔ حافظ صاحب کہتے ہیں کہ کئی دفعہ حضرت صاحب سے ایسا محاورہ لکھا جاتا ہے جس کا لغت میں عام استعمال نہیں ملتا۔ لیکن بسیار تلاش کے بعد پتہ چلتا تھا۔

(سیرۃ المہدی حصہ 1 صفحہ ۹۲)

---

بقیہ از صفحہ 31

مختلف ہوتی ہے۔

مختلف ISP۔Email to Fax کے سہولت بھی مہیا کرتے ہیں۔ یعنی آپ اپنے کمپیوٹر سے Email کرتے ہیں اور دوسرے شخص کے ایڈریس میں اس کا فیکس نمبر دے دیتے ہیں وہ Email اس کے ملک میں جاتی ہے اور وہاں پر پڑا ہوا کمپیوٹر اسے فیکس میں تبدیل کر دیتا ہے اور پھر اس خط کو مطلوبہ نمبر پر فیکس کر دیتا ہے۔

قارئین اب دیکھیں و اذا النفوس زوجت اور دیگر قرآنی پیشگوئیاں کتنی صفائی سے پوری ہوتی دیکھ رہے ہیں جس میں اس آخری یعنی امام مہدی کے زمانہ میں حیرت انگیز ایجادات اور تیز رفتار ایجادات کا ذکر ہے اور ہمیں یقین ہے کہ یہ سب کچھ دین حق کی اشاعت اور غلبہ کیلئے ہی ہوا ہے۔ انشاء اللہ

# انٹرنیٹ

(مکرم نعیم احمد صابر صاحب۔ دار الصدر شمالی ربوہ)

انسان اپنی انتھک کوششوں کے بعد اب اس مقام پر پہنچ چکا ہے جہاں اسے پوری کائنات قابل تسخیر نظر آنے لگی ہے۔ سائنس کی انہی ایجادات میں سے ایک انٹرنیٹ ہے۔ آج کل جہاں بھی جایئے چاہے پاکستان یا باہر جو لفظ بار بار سننے کو ملتا ہے وہ ہے انٹرنیٹ۔ لیکن یہ انٹرنیٹ آخر ہے کیا چیز؟

جب مختلف کمپیوٹروں کو ٹیلی فون یا کسی اور ذریعہ سے آپس میں منسلک کیا جاتا ہے تو وہ Computer Network کہلاتا ہے۔ انٹرنیٹ سے مراد کمپیوٹر کے نیٹ ورکس کا آپس میں ایسا رابطہ ہے جس سے وہ کمپیوٹر جو آپس میں ایک ٹیلی فون لائن کے ذریعہ سے منسلک ہیں ایک دوسرے سے براہ راست Information کا تبادلہ کر سکیں۔ انٹرنیٹ سے عام طور پر جو مراد لیا جاتا ہے وہ دنیا کے حکومتی، تعلیمی، کاروباری، اور معاشی اداروں کا وہ Network ہے جس سے عام لوگ آسانی کے ساتھ رابطہ قائم کرسکتے ہیں۔ انٹرنیٹ کی ایک چھوٹی قسم بھی ہے جسے مختلف ادارے اپنے پرائیویٹ مقاصد کیلئے استعمال کرتے ہیں اسے Internet کہتے ہیں۔

انٹرنیٹ کی بنیاد 1973ء میں ایک امریکی سائنسدان Vinton Cerf نے ایک سائنسی پراجیکٹ کے طور پر رکھی جس کی سرپرستی امریکی ایجنسی ایڈوانس ریسرچ پروجیکٹ کر رہی تھی اور شروع شروع میں اسے ARP Anet کا بھی نام دیا گیا۔ جو امریکہ میں مختلف یونیورسٹیوں اور حکومتی ایجنسیوں کے کمپیوٹرز کے نیٹ ورکس کو آپس میں ملاتا تھا۔ انٹرنیٹ کی مختلف سہولیات میں WWW, Telnet, ftp اور Go Pher اہم ہیں لیکن ہم ان سب کی خصوصیات کا ذکر نہیں کریں گے۔

یہ تو تھا انٹرنیٹ کا مختصر سا تعارف۔ اب آتے ہیں اس طرف کہ انٹرنیٹ کو استعمال کس طرح کیا جاتا ہے اور ہمیں اس کا کیا فائدہ ہے۔ سب سے پہلے تو اس چیز کا جائزہ لیتے ہیں کہ انٹرنیٹ کے استعمال کیلئے ہمیں کن چیزوں کی ضرورت ہوگی۔ ہمیں ایک عدد کمپیوٹر چاہئے جو کم از کم 486DX ہو۔ اچھے نتائج کیلئے Pentium-100 یا اس سے بھی Advance کمپیوٹر چاہئے۔ پھر اس کمپیوٹر میں کم از کم 16MB RAM ہونی ضروری ہے۔ ایک عدد Modem کا ہونا بھی ضروری ہے۔

MODEM ایک ایسا آلہ ہے جو کمپیوٹر کے اندر یا باہر لگایا جا سکتا ہے اور اس کا کام یہ ہے کہ یہ کمپیوٹر کو عام ٹیلی فون لائن سے منسلک کرتا ہے۔ Modem کی مختلف سپیڈیں ہوتی ہیں بہتر نتائج کیلئے زیادہ سپیڈ والے Modem کا انتخاب کرنا چاہئے۔

اس کے بعد ہمیں ایک Internet Service Provider کی ضرورت ہوگی جس سے ہم انٹرنیٹ کا Connection لے سکیں گے۔ پاکستان بھر میں ہر بڑے شہر میں مختلف ISP موجود ہیں۔ جیسے NET, IBM NET PTCL, BRAIN وغیرہ۔ یہ ISP مختلف ریٹس پر انٹرنیٹ کا Connection فراہم کرتے ہیں اور اپنی Service کا بل Per Hour کے حساب سے لیتے ہیں۔ ان سے اپنے بجٹ کے مطابق انٹرنیٹ کا Connection لیا جا سکتا ہے۔ اب جب کہ ہم انٹرنیٹ لے چکے ہیں ہم دیکھتے ہیں کہ اسے استعمال کیسے کیا جاتا ہے۔

انٹرنیٹ کے استعمال کیلئے کمپیوٹر پر ایک پروگرام کی ضرورت ہوتی ہے جسے Browser کہتے ہیں۔ جب ہم نے انٹرنیٹ کا استعمال کرنا ہوگا تو سب سے پہلے ہم اپنے ISP سے کمپیوٹر کے ذریعہ رابطہ کریں گے۔ جب رابطہ ہو جائے گا تو Browser ہمارے سامنے آ جائے گا۔ جس طرح ہمارے شہروں میں ہر گھر کا اپنا ایک منفرد ایڈریس اور ٹیلی فون نمبر ہے۔ اسی طرح انٹرنیٹ پر مختلف کمپنیوں، تعلیمی اداروں، لائبریروں اور تفریحی مقامات کے Pages موجود ہیں۔ Pages کا مجموعہ Sites کہلاتا ہے۔ ان کے مختلف ایڈریس ہوتے ہیں جنہیں URL کہا جاتا ہے۔ جیسے اگر آپ جماعت سے متعلق Site پر جانا چاہیں تو اس کا ایڈریس یا URL http:/www.alislam.org/Pakistan اپنے browser میں type کریں تو آپ اس سائٹ پر پہنچ جائیں گے۔ اس طرح آپ MTA کی سائٹ پر بھی جا سکتے ہیں جہاں پر آپ مختلف نظمیں اور حضور کے خطبات، سوال و جواب کی محفل اور MTA کی LIVE نشریات سن اور دیکھ سکتے ہیں۔

اسی طرح سے کوئی فرم یا شخص جو اپنے بارے میں معلومات پوری دنیا کو فراہم کرنا چاہتا ہے وہ اپنی ایک Site بنا کر تمام معلومات اس میں رکھ سکتا ہے۔ چاہے وہ اپنی مصنوعات کی تشہیر کرنا چاہتا ہو یا نوکری کی تلاش میں ہو۔ اگر کوئی طالب علم کسی بہت ہی نایاب کتاب سے کوئی Information لینا چاہتا ہے اور وہ کتاب اس کے شہر کی لائبریری میں موجود نہیں تو وہ انٹرنیٹ کے ذریعہ سے کسی بڑی لائبریری کی Site پر جا کر اس کتاب سے اپنی مطلوبہ معلومات حاصل کر سکتا ہے۔ اسی طرح سے انٹرنیٹ پر لوگوں کو ان کی مطلوبہ چیز کی تلاش میں مدد دینے کیلئے ایسی Sites موجود ہیں جنہیں انٹرنیٹ کی ڈائریکٹری کہا جا سکتا ہے۔ ان Sites کو Search Engines کہا جاتا ہے۔ ان میں مشہور Yahoo, Hotbot, Altavista ہیں۔ فرض کریں کہ آپ پانی کے بارے میں معلومات حاصل کرنا چاہتے ہیں تو آپ سب سے پہلے Yahoo کی سائٹ http:/www.yahoo.com/ پر جائیں گے۔ اس کے بعد وہاں Water لکھ کر search کا بٹن دبا دیں گے تو Yahoo کا Search Engine پورے انٹرنیٹ پر پانی سے متعلق جتنی بھی Sites ہونگی ان کے URL ایک لسٹ کی شکل میں آپ کے کمپیوٹر کی سکرین پر نشر کر دے گا۔ اب آپ کو جو سائٹ موزوں نظر آئے اسے Select کریں اور آپ اس Site پر پہنچ جائیں گے اور اپنی مطلوبہ معلومات حاصل کر لیں گے۔

انٹرنیٹ کی ایک اور سہولت جسے بہت زیادہ استعمال کیا جا رہا ہے۔ Electronic Mail کہلاتی ہے۔ جس طرح اگر آپ نے ایک خط جرمنی بھیجنا ہو تو پہلے آپ اس پر ایڈریس لکھیں گے پھر اسے پوسٹ آفس لے جا کر پوسٹ کر دیں گے۔ وہ خط ریل یا ہوائی جہاز کے ذریعہ بڑے پوسٹ آفس اور پھر دوبارہ کسی ٹرانسپورٹ کے ذریعہ مطلوبہ ملک یا شہر کے پوسٹ آفس میں پہنچ جائے گا اور پھر وہاں سے مطلوبہ لیٹر بکس میں۔ E-Mail بھی تقریباً اسی طرح کام کرتی ہے۔ آپ اپنے خط کو کمپیوٹر پر لکھتے ہیں اور اسے پوسٹ آفس میں بھیجنے کی بجائے اسے اپنے ISP کے نیٹ ورک میں بھیج دیتے ہیں۔ وہ خط نیٹ ورک سے انٹرنیٹ کے ذریعہ دوسرے شہر یا ملک کے ISP کے نیٹ ورک میں پہنچ جاتا ہے اور وہاں سے مطلوبہ شخص کے کمپیوٹر میں۔ ایک عام خط جو کہ پوسٹ آفس سے پوسٹ کیا جائے اس کے اپنی منزل تک پہنچنے میں بعض اوقات ہفتے لگ جاتے ہیں لیکن Email چند سیکنڈروں میں دوسرے شخص تک پہنچ جاتی ہے۔ اس کا فائدہ یہ ہے کہ تیز رفتار ہونے کے علاوہ یہ عام خط اور فیکس کے مقابلے میں سستی ہے۔ اگر ایک فیکس جرمنی کرنے پر تقریباً 100 روپے لگتے ہیں تو یہی خط Email کے ذریعہ سے 5 سے 10 روپے میں چلا جاتا ہے۔ جس طرح انٹرنیٹ پر Sites کے URL ہوتے ہیں اسی طرح Email کا بھی ایڈریس ہوتا ہے لیکن اس کی بناوٹ URL سے ذرا

بقیہ صفحہ 29 پر

# جامعہ احمدیہ

مضمون نگار مکرم راجہ برھان احمد صاحب - کراچی

قرآن مجید میں خدا تعالی فرماتا ہے

ترجمہ "اور تم میں سے ایک ایسی جماعت ہونی چاہئے جسکا کام صرف یہ ہو کہ وہ (لوگوں کو) نیکی کی طرف بلائے اور نیک باتوں کی تعلیم دے اور بدی سے روکے اور وہی لوگ کامیاب ہونے والے ہیں۔" (آل عمران آیت نمبر105)

یہ خدا تعالی کا محض فضل و احسان ہے کہ جماعت احمدیہ کا ہر فرد ایک ایسی جماعت میں شامل ہے جسکا کام لوگوں کو نیکی کی طرف بلانا ہے اور بدی سے روکنا ہے۔ (اللہ تعالیٰ ہم سب کو کامیاب ہونے والوں میں شامل کرے) لیکن آج میں اس خاص جماعت کے تعلیمی ادارے کا مختصر تعارف کروا رہا ہوں جسکا کام صرف اور صرف یہ ہے کہ وہ لوگوں کو نیکی کی طرف بلائے اور بدی سے روکے۔ میرا اشارہ جماعت احمدیہ کے ایک نہایت ہی اہم اور اعلی تعلیمی ادارے جامعہ احمدیہ کی طرف ہے۔ یہاں عام طور پر جماعت کے نوجوان میٹرک پاس کر کے اپنی جانیں خدا کی راہ میں وقف کر کے آتے ہیں۔ آجکل جامعہ احمدیہ کی مرکزی شاخ ربوہ پاکستان میں ہے جبکہ دنیا کے چند اور ممالک میں بھی اس کی شاخیں موجود ہیں۔

## جامعہ احمدیہ کا قیام اور مقصد

جامعہ احمدیہ کا آغاز تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانے سے ہوا ہے۔ 1905ء کا سال وہ سال تھا جو عام الحزن کا سال کہلائے تو غلط نہ ہوگا۔ اس سال بہت سے دوسرے جماعت کے اہم علماء اور جید رفقاء کے علاوہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے الہام دو شہتیر ٹوٹ گئے کے عین مطابق جماعت کے دو جید علماء حضرت مولوی عبدالکریم صاحب سیالکوٹی اور حضرت مولوی برہان الدین صاحب اپنے خالق حقیقی سے جاملے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس زبردست خلاء کو محسوس کرتے ہوئے تشویش کا اظہار کرتے ہوئے 6 دسمبر 1905ء کو فرمایا:۔

"ہماری جماعت میں سے اچھے اچھے لوگ مرتے جاتے ہیں چنانچہ مولوی عبدالکریم صاحب جو ایک مخلص تھے اور ایسا ہی اب مولوی برہان الدین صاحب جہلم میں فوت ہوگئے اور بھی بہت سے مولوی صاحبان اس جماعت میں فوت ہوگئے مگر افسوس کہ جو مرتے ہیں ان کا جانشین ہم کو کوئی نظر نہیں آتا۔ پھر فرمایا مجھے مدرسہ کی طرف سے بھی رنج ہی پہنچتا ہے کہ جو کچھ ہم چاہتے تھے وہ بات اس سے حاصل نہیں ہوئی۔ اگر یہاں سے بھی

طالب علم نکل کر دنیا طالب ہی بننے تھے تو ہمیں اس کے قائم کرنے کی ضرورت ہی کیا تھی۔ ہم تو چاہتے ہیں کہ دین کے لئے خادم پیدا ہوں"۔

(مکتوبات احمدیہ جلد5 نمبر3 صفحہ 62۔ تاریخ احمدیت جلد3 صفحہ 428۔429)

اس فرمان کے بعد حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بہت سے احباب بلا کر ان کے سامنے یہ امر پیش فرمایا کہ مدرسہ (تعلیم الاسلام) میں ایسی اصلاح ہونی چاہیئے کہ یہاں سے واعظ اور علماء پیدا ہوں جو آئندہ ان لوگوں کے قائمقام ہوتے رہیں گے جو گزرتے چلے جاتے ہیں۔ سب سوچو کہ اس مدرسہ کو ایسے رنگ میں رکھا جاوے کہ اس سے قرآن دان' واعظ اور علماء پیدا ہوں جو دنیا کی ہدایت کا ذریعہ ہوں۔

اس ضمن میں حضور نے مدرسہ تعلیم الاسلام میں ہی ایک شاخ "شاخ دینیات" کے قیام کا فیصلہ صادر فرمایا۔ بعد ازاں یہ شاخ دینیات' مدرسہ احمدیہ اور پھر جامعہ احمدیہ کی صورت اختیار کر گئی اور اب یہ ایک وسیع تعلیمی ادارے کی شکل اختیار کر چکی ہے۔

## جامعہ احمدیہ قادیان سے ربوہ

شاخ دینیات جو دراصل جامعہ احمدیہ کی ابتدائی شکل تھی زمانے کے ساتھ ساتھ اپنے اندر تبدیلیاں لائی۔ پہلے شاخ دینیات مدرسہ تعلیم الاسلام کا ایک حصہ ہی تھی اور قادیان میں یہ قائم تھی۔ پھر مدرسہ احمدیہ کے نام سے ایک علیحدہ تعلیمی ادارہ بنا۔ ہجرت کے بعد جب حضرت مصلح موعود قادیان سے لاہور تشریف لے آئے تو اس مدرسہ کی تعلیم کا سلسلہ کچھ وقفہ کے بعد پھر لاہور ہی میں شروع کر دیا گیا۔

یہاں سے جلد ہی جامعہ احمدیہ کو احمد نگر آنا پڑا۔ احمد نگر میں کچھ عرصہ گزارنے کے بعد جامعہ احمدیہ مستقل طور پر ربوہ میں آگیا اور آج جامعہ احمدیہ ایک وسیع و عریض رقبہ پر ربوہ میں محلہ دارالبرکات اور ریلوے لائن کے درمیان واقع ہے۔

## جامعہ احمدیہ ربوہ

موجودہ جامعہ احمدیہ کی جہاں تک عمارت کا تعلق ہے تو دو منزلوں پر مشتمل عمارت تدریس کے لئے استعمال ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ دو ہوسٹل ناصر ہوسٹل اور طاہر ہوسٹل ہیں جہاں طلباء کے لئے رہائش کا انتظام ہے۔ موجودہ نصاب سات سال پر مشتمل ہے۔ ان سات سالوں میں مندرجہ ذیل مضامین پڑھائے جاتے ہیں۔ (1) انگریزی (2) اردو (3) فارسی (4) فقہ (5) قرآن (6) حدیث (7) کلام (8) موازنہ (9) صرف و نحو (10) تاریخ و سوانح (11) تصوف۔

طلباء کے درمیان علمی اور ورزشی مقابلہ جات بھی کرائے جاتے ہیں تاکہ ان کی ذہنی و جسمانی صلاحیتوں میں مزید اضافہ ہو۔

جامعہ احمدیہ میں تعلیم حاصل کرنا ایک نہایت ہی اعزاز کا مقام ہے کیونکہ یہ مسیح الزماں حضرت مرزا غلام احمد قادیانی علیہ الصلوۃ والسلام کا قائم کردہ ادارہ ہے۔ یہاں نوجوان اپنی زندگیاں صرف اور صرف خدا تعالیٰ کی رضا کے لئے اور خدمت دین کے لئے وقف کر کے آتے ہیں۔

مولوی ظہور حسین صاحب مجاہد اول

بقیہ صفحہ 35 پر

# مرکز عطیہ خون - ربوہ



(رپورٹ محترم ڈاکٹر محمد احمد صاحب اشرف صدر کمیٹی مرکز عطیہ خون ربوہ)

دوسروں کی تکلیف کا احساس اور اسے دور کرنے کی کوشش کرنا جماعت احمدیہ کا شعار رہا ہے۔ انسانی ہمدردی کے اسی جذبہ کے تحت ضرورتمند افراد کو اپنے جسم کا خون مہیا کرنا ایک نہایت گراں قدر خدمت ہے۔ مجلس خدام الاحمدیہ نوجوانوں میں اسی جذبہ کو اجاگر کرتے ہوئے بلاامتیاز ہر ضرورتمند شخص کی ضرورت پوری کرنے کی ہمیشہ تحریک اور جدوجہد کرتی رہی ہے۔ اور احمدی نوجوان خدا تعالیٰ کے فضل سے اس میدان میں کئی لحاظ سے شاندار خدمات کی توفیق پاتے رہے ہیں۔ خون کا عطیہ پیش کرنے کے لئے بیشتر صحت مند خدام ہمیشہ تیار رہتے ہیں۔ کچھ خدام شعبہ خدمت خلق کے تحت خدام کی بلڈ گروپنگ کرنے میں تعاون کرتے ہیں تو بعض خدام گروپنگ کے بعد تمام کوائف کو محفوظ اور Up to Date رکھنے کیلئے کام کرتے ہیں۔ بعض خدام ضرورت پڑنے پر ان کوائف کی مدد سے موزوں خدام کی تلاش اور عطیہ خون کیلئے ضروری تیاری میں مدد دیتے ہیں۔ پھر کچھ خدام عطیہ خون سے پہلے ضروری ٹیسٹوں اور دیگر امور کی انجام دہی میں خدمت کی توفیق پاتے ہیں۔ غرض خدام احمدیت کی ایک بہت بڑی تعداد اس خدمت کیلئے ہمہ وقت کوشاں رہتی ہے۔

مرکز سلسلہ اور اس کے گردونواح میں اس کام کی وسعت کے پیش نظر اس خدمت کو منظم کرنے کیلئے مجلس خدام الاحمدیہ پاکستان نے جولائی ۱۹۹۴ء میں احاطہ بیت المہدی گولبازار ربوہ میں "مرکز عطیہ خون" قائم کیا۔ یہاں تمام ضروری آلات اور دیگر سامان کے ساتھ ساتھ ٹیلی فون کی سہولت بھی مہیا کی گئی۔ تجربہ کار لیبارٹری ٹیکنیشنز کی خدمات حاصل کی گئیں۔ محترم چوہدری حمید اللہ صاحب وکیل اعلیٰ تحریک جدید نے اجتماعی دعا سے اس کا افتتاح فرمایا۔ اس کے قیام پر پیارے آقا حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی طرف سے اظہار خوشنودی پر مشتمل ایک خط محترم صدر صاحب مجلس خدام الاحمدیہ پاکستان کے نام موصول ہوا جس میں حضور ایدہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

**"بلڈ بینک کھولنے کی مساعی قابل ستائش ہے۔ الحمدللہ جزاکم اللہ تعالیٰ احسن الجزاء۔ اللہ تعالیٰ خدام کو اس کار خیر میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے کی توفیق بخشے اور فضل عمر ہسپتال کے مریض اس کام سے فائدہ اٹھائیں۔ تمام کارکنان کو سلام"**

اس مرکز کے بہتر انتظام کے لئے مجلس خدام الاحمدیہ پاکستان کی طرف سے ایک انتظامیہ کمیٹی تشکیل دی جاتی ہے جو کہ مرکز عطیہ خون کے جملہ انتظامات کی اللہ تعالیٰ کے فضل سے بااحسن انجام دہی کی توفیق پاتی ہے۔ مکرم ڈاکٹر سمیع الاحمد صاحب اس کمیٹی کے سیکرٹری ہیں۔ وہ اور مکرم ڈاکٹر طاہر محمود صاحب بلڈ ٹرانسفیوژن آفیسر کے فرائض بھی سرانجام دیتے ہیں۔ جب کہ ایڈیشنل ناظم خدمت خلق مجلس مقامی ربوہ مکرم انوار احمد خان صاحب اور ان کے معاونین مریضوں اور خدام سے رابطہ کا بنیادی کردار ادا کرتے ہیں۔ انتظامی معاملات کی انجام دہی میں مکرم قدرت اللہ چیمہ صاحب اور مکرم سفیر احمد صاحب نمایاں خدمت بجالا رہے ہیں۔

مرکز عطیہ خون میں خون کا عطیہ پیش کرنے والے تمام افراد کی فری بلڈ گروپنگ کی جاتی ہے۔ خون کا عطیہ پیش کرنے سے پہلے ڈونر

کے ضروری ٹیسٹوں کا انتظام بھی ہے تاکہ کسی بیماری وغیرہ کی صورت میں نہ تو ڈونر کو کوئی تکلیف ہو نہ ہی وہ بیمار خون بلڈ بینک میں رکھا جائے اور نہ ہی وہ کسی مریض کے لئے استعمال ہو سکے۔ خدام کی بلڈ گروپنگ کرنے کیلئے محلہ جات میں بھی کیمپس منعقد کئے جاتے رہے ہیں اور ان کا ریکارڈ مرکز عطیہ خون میں Up to Date رکھنے کی پوری کوشش کی جاتی ہے۔ غیر ضروری طور پر حتی الوسع خدام کو Bleed کروانے سے بچایا جاتا ہے تاکہ Fresh Blood مہیا ہوتے رہیں اور نہایت قیمتی خون کا کوئی ایک بیگ بھی ضائع نہ ہونے پائے۔

فضل عمر ہسپتال ربوہ کے ایڈمنسٹریٹر محترم کرنل ڈاکٹر محمد عبدالخالق صاحب نے مورخہ ۲ نومبر ۱۹۹۶ء کو ایک تقریب میں خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ مرکز عطیہ خون کی طرف سے ہسپتال کے مریضوں کی ہر ممکن فوری مدد کا انتظام نہایت تسلی بخش رہا ہے۔ ہمیں خوشی ہے کہ پیارے آقا کی توقع کے مطابق اب مرکز عطیہ خون سے فائدہ فضل عمر ہسپتال کے مریضوں کو پہنچایا جا رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی دی ہوئی توفیق سے اپنے قیام کے بعد سے اپریل 1998ء تک مرکز عطیہ خون کے ذریعہ کل 1891 ضرورتمند افراد کی خون کی ضرورت پوری کی گئی ہے۔ ان میں سے 791 افراد غیر از جماعت تھے۔ 52 افراد کو Blood Bags بھی بازار سے خرید کر مفت مہیا کئے گئے۔ 1264 خدام اور 12 دیگر افراد نے رضاکارانہ طور پر اپنے خون کا عطیہ پیش کیا۔ 270 خدام اور 354 دیگر افراد نے Exchange کی بنیاد پر خون کا عطیہ دیا۔ اس عرصہ کے دوران 1277 خدام کی بلڈ گروپنگ مفت کی گئی۔ ضرورت پیش آنے پر بیرونی ہسپتالوں میں 260 بلڈ بیگز یا رضاکار خدام کو بھجوایا گیا۔ بیت المہدی ربوہ میں ہونے والے بم دھماکہ، متعدد حادثات اور دیگر ہنگامی مواقع پر مرکز عطیہ خون کے پلیٹ فارم سے نہ صرف عطیہ خون کی فوری فراہمی بلکہ ضرورتمندوں کی خدمت کے دیگر کاموں کو بھی نہایت منظم طریق سے سرانجام دیا گیا۔ خدمت خلق کا یہ سلسلہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے جاری ہے۔ پہلے یہ مرکز عطیہ خون بیت المہدی گولبازار میں قائم کیا گیا تھا لیکن وہاں توسیعی منصوبہ کے پیش نظر اس وقت یہ مرکز عارضی طور پر گولبازار ہی میں فضل عمر ہسپتال کے قریب ایک کرائے کی عمارت میں کام کر رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عاجزانہ دعا ہے کہ وہ اس خدمت کو شرف قبولیت بخشے۔ بنی نوع انسان کی خدمت کا یہ ذریعہ روز افزوں ترقی کی منازل طے کرتا رہے اور ضرورتمند افراد کو ہر رنگ میں فوری خدمت کا یہ ایک مثالی مرکز بن جائے۔ تمام کارکنان اور عطیہ خون پیش کرنے والے جملہ افراد کو اپنی رضا سے نوازے اور ہم سب کو اس کار خیر میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے کی توفیق عطا فرمائے۔

---

بقیہ از صفحہ 33......

روس و بخارا لکھتے ہیں:۔

"اس میں کچھ شک نہیں کہ جامعہ احمدیہ کا کورس کافی لمبا ہے۔ تقریباً سات سال لگتے ہیں تب جا کر کہیں منزل سامنے آتی ہے۔ لیکن ایک دفعہ جب کوئی طالب عالم اس بھٹی سے گزر جائے تو پھر سونا بن کر نکلتا ہے۔ یہ وہ درس گاہ ہے جہاں سے ایسے ایسے لوگ تعلیم حاصل کر کے نکلے کہ احمدیت کی آئندہ نسلوں کے لئے نشان راہ بن گئے اور جب تک دنیا قائم ہے یہ مبلغین کا سلسلہ بھی قائم رہے گا۔" (مجاہد بخارا و روس)

پس اے احمدیت کے نوجوانو! کچھ اس طرف غور کرو اور مسیح الزماں کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے آگے بڑھو۔ اس عظیم ادارے میں آؤ اور پھر یہاں سے نور کی شمعیں لے کر دنیا کے کونے کونے میں پھیل جاؤ۔ خدا تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

پروردہ ہیں یہ لوگ اسی درسگاہ کے
ان گوہروں کی کان بھی ہے کان جامعہ

# مضمون نگاروں کے لئے ضروری ہدایات



قابل صد احترام قارئین! ہمیں اس رسالہ کے لئے آپکی تحریروں اور آپکے تعاون کی ضرورت رہتی ہے۔اس رسالہ کو بہتر سے بہتر بنانے کے لئے 'معیار کو بلند سے بلند تر کرنے کے لئے ضرورت ہے کہ آپ مفید اور معیاری مضامین ارسال فرمائیں 'خود لکھیں' دوسروں کو لکھنے کی دعوت دیں' کسی اور اخبار یا رسالے میں ایسی تحریر ہو کہ آپ سمجھیں کہ اس کی اشاعت کو مزید پھیلایا جاسکتا ہے تو وہ بھیجیں۔ہمیں انتظار رہتا ہے۔امید ہے کہ آپ دعاؤں کے ساتھ ساتھ عملی طور پر بھی تعاون فرمائیں گے۔

یہ درخواست پڑھ کر ممکن ہے کہ آپ میں سے کچھ احباب ایسے بھی ہوں جو یہ سوچیں کہ ہم نے تو دیا تھا لیکن وہ تحریر شائع ہی نہیں ہوئی اور یہ بھی ممکن ہے کہ کچھ دوست ابھی تو اس درخواست کو قبول کریں اور تحریر بھیج بھی دیں اور چند ماہ بعد وہ بھی اس خیال کی حمایت کریں کہ ہمارے مضمون شائع تو ہوئے نہیں اس لئے کیا فائدہ بھیجنے کا۔نہیں ایسی کوئی بات نہیں۔بس ذرا جائزہ لے لیں کہ آپ کی تحریر درج ذیل شرائط کے مطابق ہو تو انشاء اللہ ضرور شائع ہوگی۔اکثر و بیشتر مضامین میں ان باتوں کا خیال نہیں رکھا جاتا اور وہ شائع نہیں ہو پاتے۔اور بعض اوقات تو اچھے بھلے مضامین شائع ہونے سے رہ جاتے ہیں۔اس لئے ان ہدایات کو سامنے رکھتے ہوئے آپ مضامین ارسال فرمائیں۔شکریہ

۱- سب سے پہلے تو آپ اس بات کا خیال رکھیں کہ معین مضمون ذہن میں رکھ کر مختصر اور آسان زبان میں اس کو لکھیں اور اس مضمون کے اندر جو بھی حوالہ ہے وہ مکمل دیں۔

کوشش تو یہ بھی ہو کہ قرآن و حدیث کا بھی مکمل حوالہ ہو۔لیکن خیر وہ تو ہم ڈھونڈ کر لکھ لیں گے لیکن اس کے علاوہ جس کسی بھی کتاب یا اخبار یا رسالہ کا حوالہ ہو مکمل درج کریں مثلاً اگر کتاب ہے تو اس کا مصنف 'مطبع' سن 'ایڈیشن' صفحہ نمبر وغیرہ۔

۲- ممکن ہو سکے تو خاص حوالہ کے پیش نظر اسکی فوٹو کاپی بھی ساتھ ارسال فرمادیں۔لیکن یہ تو حوالے کی اہمیت کے پیش نظر آپ فیصلہ کر سکتے ہیں۔

۳- یہ بھی کوشش کریں کہ اگر آپ خود کسی عنوان پر طبع آزمائی کر رہے ہیں تو اس تحریر کو قرآن و حدیث' حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور خلفائے سلسلہ کی تحریرات سے ضرور مزین کریں۔

آپکی اپنی تحریر بھلے خوبصورت ہو۔حسن تو تبھی مکمل ہے جب ان کتب کے زیور سے اس کو سجائیں گے۔اس لئے اس کو بھی ضرور مد نظر رکھیں۔

۴- عناوین کے انتخاب میں یہ بات مد نظر رکھیں کہ قارئین کو اس سے کیا فائدہ ہوگا؟ علمی' تربیتی' اخلاقی اور روحانی امور کے لئے مفید ہے؟ اس لئے آپ سیرت و سوانح' اخلاقی امور' معلوماتی مضامین' تاریخ' سائنس بے شمار علوم ہیں ان کے حوالے سے مضامین تیار کر سکتے ہیں۔

۵- بعض اوقات مضامین موصول ہوتے ہیں جو من و عن کسی دوسری کتاب یا اخباروں سے نقل شدہ ہوتے ہیں۔

خاکسار کی رائے میں یہ کوئی معیوب تو نہیں اور نہ ہی صرف یہ امر متقاضی ہے کہ اس مرسلہ مضمون کو "ناقابل اشاعت" کے زمرے میں لے آئے۔کیونکہ ایک تو ویسے حکمت اور علم کی بات تو زیادہ سے زیادہ پھیلنی چاہئے اور پھر یہ بھی ضروری نہیں کہ وہ اخبار یا رسالہ حلقہ احباب میں پڑھا جائے جہاں "خالد" پڑھا جا رہا ہے۔اخبارات و رسائل کے اپنے اپنے حلقے بھی ہوتے ہیں۔کہیں کوئی اخبار

رسالہ جاتا ہے کہیں کوئی' ایک محتاط اندازے کے مطابق ہمارے اپنے اخبارات و رسائل بھی ایسے نہیں کہ ہر جگہ سارے کے سارے اخبارات و رسائل پڑھے جارہے ہوں- کہیں الفضل ہے تو کہیں انصاراللہ اور کہیں خالد اور کہیں تشحیذ و مصباح تو اس وجہ سے کوئی نامناسب بھی نہیں کہ مفید اور علمی معلومات پر مبنی مضمون ایک اخبار رسالہ سے لیکر آگے دوسرے رسالے کے ذریعے پھیلایا جائے-

اور پھر ایسا بھی ہوتا ہے کہ دوسرے رسائل اتنے قیمتی ہوتے ہیں کہ کوئی خرید ہی نہیں سکتا- یہ تو خدا کے فضل سے اس غریب جماعت کی اخلاقی اور روحانی تربیت کے لئے بغیر کسی نفع کی غرض سے اتنی سستی قیمت پر دیئے جارہے ہیں-

تو اس لئے دوسرے رسائل ایک غریب اور متوسط آدمی کی پہنچ سے ہی دور ہوتے ہیں- اور بھی کئی وجوہات ہو سکتی ہیں اس لئے ایسی کوئی روک نہیں کہ آپ دوسرے اخبارات یا رسالہ سے مضمون نہ بھجیں لیکن اگر روک یا نامناسب ہے تو وہ یہ کہ :-

i- اس اخبار یا رسالہ یا کتاب کا مکمل نام اور حوالہ اور اس کے شکریہ کے ساتھ ہمیں ارسال فرمائیں-

ii- ہر اس امر کا خاص اہتمام کرلیں کہ کہیں اس میں شائع شدہ تحریر کو Re Produce کرنے میں کوئی روک تو نہیں عموماً بعض رسائل پر لکھا بھی ہوتا ہے کہ بغیر اجازت اسکو شائع کرنا وغیرہ منع ہے- تو قانوناً اور اخلاقاً ضروری ہے کہ آپ صاحب مضمون یا رسالہ کے ایڈیٹر/انتظامیہ سے خط لکھ کر اسکی اجازت لے لیں-

یہ ایک بہت ضروری بات ہے اور بہت پیاری بات ہے - پھر آپ وہ مضمون/مناسب ہو کہ فوٹو کاپی بھی ارسال فرمائیں-

۷- اپنا نام اور مکمل ایڈریس ضرور لکھیں۔

یہ کچھ ضروری امور تھے جن کو مدنظر رکھ کر آپ مضامین ارسال فرمائیں- اور ہاں بعض احباب مضامین واپس منگواتے ہیں ان سے درخواست ہے آپ فوٹو کاپی ہی رکھ لیا کریں- بہت مشکل ہوتا ہے کہ اب واپسی کا اہتمام بھی کیا جائے- اس لئے اسکی نقل رکھ لیا کریں-

اب یہ کچھ امور تھے میرا خیال ہے جن احباب کو یہ شکوہ ہوتا ہے کہ ہمارا مضمون شائع نہیں ہوتا تو وہ غور سے ان ہدایات کو پڑھیں تو امید ہے کہ ان کا شکوہ دور ہو جائے-

البتہ اب بھی چند ایک احباب ہو سکتا ہے کہ پھر بھی مضمون شائع نہ ہونے کا اظہار کریں لیکن اس کی وجہ یہ ہے کہ کسی خاص موقعہ کی مناسبت سے اگر کوئی تحریر بھیج رہے ہیں- فرض کیا کہ ستمبر کے مہینے سے اس کا تعلق ہے تو عموماً وہ ستمبر میں بھیجی جاتی ہے- ایسا امر روزانہ اخبار کے لئے تو درست ہو سکتا ماھانہ رسالہ کے لئے نہیں- اب اس حوالے سے ستمبر کا خالد جولائی میں فائنل کیا جارہا ہوتا ہے سو ضروری ہے کہ جولائی میں یعنی دو ماہ قبل وہ موصول ہو تو شائع کرنے کے لئے غور کیا جاسکتا ہے وگرنہ وہ بھجا گیا مضمون پڑا رہے گا- اس لئے اگر آپ کسی خاص مہینے کے رسالہ میں مضمون شائع کروانا چاہیں تو اس کے لئے دو تین ماہ قبل مضمون بھجوائیں-

ادارہ خالد کو آپ کے مضامین کا انتظار رہے گا-

جزاکم اللہ احسن الجزاء آپ کا مدیر خالد

---

کچھ عشق تھا کچھ مجبوری تھی سو میں نے جیون وار دیا
میں کیسا زندہ آدمی تھا اک شخص نے مجھ کو مار دیا
اک سبز شاخ گلاب کی تھا اک دنیا اپنے خواب کی تھا
وہ ایک بہار جو آئی نہیں اس کے لئے سب کچھ ہار دیا
یہ سجا سجایا گھر ساتھی مری ذات نہیں مرا حال نہیں
اے کاش کبھی تم جان سکو جو اس سکھ نے آزار دیا

عبید اللہ علیم

## فسیروا فی الارض

# ہڑپہ کے آثار



(مکرم نعیم طاہر صاحب سون۔ طاہر ہوسٹل ربوہ)

### آثار ہڑپہ

9 جولائی 1997ء کی روشن صبح خاکسار کو اپنے میزبان ڈاکٹر ظفر اقبال صاحب کے ہمراہ ہڑپہ کے کھنڈرات دیکھنے کا موقع ملا۔ ہمارے پیش نظر قرآن کا بیان کردہ مقصد سیروا فی الارض تھا۔ ہم اس تہذیب کی باقیات دیکھنے جارہے تھے جو آج سے پانچ ہزار سال قبل اپنے عروج پر تھی۔ آج ہمیں اس جیتی جاگتی تہذیب کے صرف باقیات ہی ملتے ہیں جو بزبان حال ماضی کی سینکڑوں ہزاروں سالوں کی تاریخ بتا رہے ہیں۔ اور اس کے سماجی، معاشرتی، معاشی اور مادی عروج کی کہانی سناتے ہیں۔ البتہ اس زبان کو سمجھنے کیلئے شعور چاہئے اور یہ شعور ہمیں بصارت، بصیرت اور قرآن کی روشنی میں ہی مل سکتا ہے۔ لوئر باری چناب کو عبور کر کے جب ہم ہڑپہ پہنچے تو کال، کری، ون اور میکسیکن کیکر (پہاڑی کیکر) اگے ٹیلوں نے ہمارا استقبال کیا۔

نسل انسانی لگ بھگ پانچ لاکھ سال قبل وجود میں آئی۔ آج جب کہ انسان کمپیوٹر کے دور میں داخل ہو چکا ہے ترقی کے اس مقام تک جو بھی تگ و دو انسان کو کرنی پڑی اس کا مکمل ریکارڈ کسی زبان یا تاریخ میں میسر نہیں۔ تاہم پرانے کھنڈرات، تباہ شدہ بستیوں اور بے آباد ٹیلوں اور دیگر تاریخی یادگاروں سے ہمیں بے شمار ایسے باقیات مل جاتے ہیں جو بزبان حال ماضی کے ان رموز و اسرار سے پردے اٹھاتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ یہ بات ہم سب جانتے ہیں کہ انسان نے لکھنا پڑھنا بہت بعد میں شروع کیا۔ چنانچہ جہاں تاریخ کی وسعت ختم ہو جاتی ہے وہاں ماہرین آثار قدیمہ ہماری ادھوری معلومات کو مکمل کر دیتے ہیں اور ٹوٹی ہوئی کڑیوں کو ملانے میں مدد دیتے ہیں۔

ہمارے ملک پاکستان میں مہرگڑھ، ڈیرہ غازیخان، موہنجوڈارو، ہڑپہ، چولستان، آمری، سوات اور ٹیکسلا میں پائے جاتے ہیں۔ جن سے ہم اس ملک کی تاریخ کا تعین کرتے ہیں۔ ماہرین آثار قدیمہ زمین کا سینہ چاک کر کے پرانے وقتوں کے دفن شدہ آثار و باقیات برآمد کرتے ہیں اور اپنے مشاہدات اور تحقیق سے دنیا کو نت نئے خیالات سے روشناس کراتے رہتے ہیں اور عوام الناس اپنی تہذیب و تمدن سے آگاہی حاصل کرتے ہیں۔

### وادی سندھ کی تہذیب

وادی سندھ کی تہذیب جنوبی ایشیاء کی وہ تہذیب ہے جسے دنیا میں ہڑپائی یا وادی سندھ کی تہذیب کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ جس کی نمائندگی پاکستان کے دو بڑے شہر ہڑپہ اور موہنجوڈارو کرتے ہیں۔ آج سے تقریباً پانچ ہزار سال قبل یہ تہذیب دریائے سندھ اور اس کے معاون دریاؤں بشمول دریائے ہاکڑہ (گھگھر) جو اب خشک ہو چکا ہے۔ چولستان کی قدیم گزر گاہوں پر پھیلتی پھولتی رہی۔ اس تہذیب کا رقبہ سوا چار لاکھ مربع کلومیٹر سے بھی زیادہ تھا۔ جو کوہ ہمالیہ کے دامن سے لیکر ساحل بحرہ عرب تک پھیلی ہوئی تھی۔ جس میں جنوبی پنجاب،

بلوچستان اور سندھ کے علاقے بھی شامل تھے۔

ایک امریکی ماہر آثار قدیمہ جوناتھن مارک کی تحقیق کے مطابق یہ تہذیب بلوچستان کے بالائی علاقوں سے شروع ہو کر مغرب تک اور شمالی پاکستان' افغانستان اور انڈیا سے جنوب مغرب اور شمال تک پھیلی ہوئی تھی اور دو بڑے دریا سندھ اور گھاگھرا اسے سیراب کرتے تھے۔

(رسالہ خبر و نظر شمارہ ا یکم جولائی ۱۹۹۷ء صفحہ ۵)

اب تک اس تہذیب کے بے شمار آثار مل چکے ہیں اور مل رہے ہیں۔ زمانے کے لحاظ سے یہ تہذیب قدیم مصری تہذیب اور موسوپوٹامیہ (عراق) کی تہذیب کے ہمعصر تھی۔ اس تہذیب کے دو اہم مراکز ہڑپہ (جو دریائے راوی کے کنارے آباد تھا اب موجود ساہیوال شہر کے قریب واقع ہے) اور موہنجوڈارو (جو دریائے سندھ کے کنارے موجود شہر لاڑکانہ کے قریب واقع ہے) کی کھدائیوں کا سلسلہ تقریباً 1921ء میں شروع ہوا اور اس کام میں کئی بار تعطل بھی آیا لیکن آج تک جاری ہے۔ دونوں شہروں میں ہڑپہ اپنی قدامت' صنعت' قدر و منزلت اور شہرت کے لحاظ سے دنیا میں اپنا کوئی ثانی نہیں رکھتا۔

## ہڑپہ

آج سے پانچ ہزار سال قبل راوی کنارے آباد شہر ہڑپہ وادی سندھ کی تہذیب کا سب سے بڑا شہر تھا۔ اسے ایک تہذیبی مرکز کی حیثیت حاصل تھی۔ لیکن آج یہاں کھنڈرات کے سوا کچھ نظر نہیں آتا۔ آج اس شہر خستہ حال کی روداد یوں ہے۔

حکمرانی ہے در و بام پہ سناٹوں کی
اب کہ آباد ہوا شہر میں صحرا ایسا

اگر غور کریں تو یہ روز مرہ کی بہت سی اشیاء جو آج ہم استعمال کرتے ہیں ان لوگوں سے مستعار لی گئی معلوم ہوتی ہیں۔ یہ حقیقت اپنی جگہ مسلم کہ ہر عروج کو زوال ہے۔ مگر ان لوگوں کی چھوڑی ہوئی باقیات و نشانات ہمارے لئے باعث فخر بھی ہیں اور باعث عبرت بھی۔

باعث فخر اس لئے کہ ہمارے اجداء دیگر قوموں کے مقابلے میں ہنرمند اور ترقی یافتہ تھے اور باعث عبرت اس لئے کہ

دنیا سے دل لگانا جھوٹی ہے سب کہانی
اور دنیا کی انتہاء بس کل من علیہا فان ہے

ہڑپہ کے لوگ اپنے فن تعمیر' عمدہ مکانات' کشادہ اور سیدھی سڑکوں' خوبصورت گلیوں' وسیع و عریض شاہراؤں' عمدہ مکانات' کنوؤں' پختہ زمین دوز نالیوں کا مکمل نظام رکھتے تھے۔ ان کی تعمیرات آج بھی شہری منصوبہ بندی کے ماہرین کیلئے ایک عمدہ نمونہ ہیں۔

اس قدیم شہر کی باقیات اس دور کے لوگوں کے رسم و رواج' کاریگری' فن اور فنون لطیفہ کی عکاسی کرتی ہیں۔ وہ لوگ سیاسی' معاشی' معاشرتی اور ثقافتی لحاظ سے اپنی ہم عصر تہذیبوں سے زیادہ منظم اور ترقی یافتہ تھے۔ جب کہ ہمعصر تہذیبیں ابھی ترقی کے ابتدائی مراحل میں تھیں۔

حقیقت یہ ہے کہ ہڑپہ کے لوگوں کو بلدیاتی شعور حاصل تھا۔ جتنی منصوبہ بندی ہڑپہ میں نظر آتی ہے دوسری تہذیبوں کے لوگوں میں نظر نہیں آتی۔ ان لوگوں کو ضروریات زندگی کی تمام سہولیات حاصل تھیں۔ ہڑپہ کے لوگ موہنجوڈارو کے لوگوں کے ہمعصر تھے۔ دونوں شہروں کا تمدن ایک تھا' عمدہ سڑکیں' پختہ نالیاں' سرکاری اناج گھر اور اسمبلی ہال ان کے اعلیٰ تمدن کی غمازی کرتے تھے۔ ڈاکٹر جوناتھن مارک نے 23 سال تک پاکستان کے مختلف شہروں میں آثار قدیمہ پر تحقیق کی اور کئی کتب تصنیف کیں۔ لاہور میں لیکچر دیتے ہوئے انہوں نے کہا۔

"وادی سندھ کے قدیم شہر ہڑپہ اور موہنجوڈارو شہری سہولیات کے حوالے سے جدید شہروں کا مقابلہ کرتے ہیں۔ ہڑپہ میں نکاسی آب کا بھرپور نظام تھا اور یہ شہر ٹاؤن پلاننگ کے جدید اصولوں کے مطابق تعمیر کیا گیا تھا۔ وادی سندھ کے قدیم شہری' زراعت اور صنعت کے مقابلے میں دیگر تہذیبوں کے مقابلے میں زیادہ ترقی یافتہ تھے اور ٹیکسٹائل (کپڑے کی صنعت) میں بھی ان کا

معیار بہت اعلیٰ تھا۔"

(رسالہ خبر و نظر صفحہ 6)

## ہڑپہ کی دریافت

ماضی بعید کا یہ شہر ہزاروں سال تک زمین کی تہوں میں دفن رہا۔ ان کھنڈرات کا سب سے پہلا ذکر ایک انگریز سیاح مسین نے 1826ء کے سفرنامے میں کیا۔ دوسری دفعہ ایک سیاح مسٹر برنس نے اپنی کتاب "بخارا کا سفر" میں ان کھنڈرات کا ذکر کیا لیکن واضح ذکر ایک مشہور جغرافیہ دان ماہر آثار قدیمہ جنرل الیگزینڈر کننگھم نے 1856ء میں اپنی سالانہ رپورٹ میں کیا۔ مگر 50 سال تک اس کی رپورٹ کو داخل دفتر رکھا گیا اور ان آثار کی طرف کوئی توجہ نہ دی گئی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہڑپہ کے عظیم ٹیلوں میں پنہاں تاریخ و تہذیب انسانی کے بے شمار سربستہ راز افشاء ہونے سے پہلے ہی ضائع ہو گئے۔ یعنی جب لاہور سے خانیوال تک ریلوے لائن بچھائی گئی تو تہذیب و تمدن کی اہمیت سے نابلد ٹھیکیداروں نے ہڑپہ کے ٹیلے کھود کر ہزاروں قیمتی اینٹیں نکال لیں اور ان اینٹوں اور ملبے سے لاہور تا خانیوال لائن بچھانے میں کام لیا گیا۔ علاوہ ازیں ارد گرد کے غریب دیہاتیوں نے ان تاریخی اینٹوں کو چوری کر کے اپنے مکانات تعمیر کر لیے جن سے ہزاروں آثار و باقیات تباہ ہوئے۔ آخر کار 1920ء میں حکومت کو آثار کی اس زبوں حالی کا خیال آیا اور اس نے ان ٹیلوں کو اپنی تحویل میں لیکر باقاعدہ کھدائیوں کا آغاز کروایا۔ یوں دنیا کے نقشہ پر ایک اور قدیم تہذیب کا اضافہ ہوا جسے سب سے پہلے دریافت ہونے والے شہر ہڑپہ کے نام پر ہڑپائی تہذیب کا نام دیا گیا۔ کیونکہ یہ تہذیب وادی سندھ اور اس کے معاون دریاؤں کے کنارے آباد تھی اس لئے اسے وادی سندھ کی تہذیب بھی کہا گیا۔

## محل وقوع

ہڑپہ کا خوبصورت شہر کھنڈرات کی شکل میں اپنے ہمعصر شہر موہنجوڈارو سے 400 میل دور ساہیوال (منٹگمری) سے 27 کلو میٹر جنوب مغرب میں واقع ہے۔ لاہور سے ہڑپہ کا فاصلہ 185 کلو میٹر ہے۔ ہڑپہ کے کھنڈرات ہڑپہ شہر (موجود آباد شہر سے 6 کلو میٹر شمال میں واقع قدیم شاہراہ شیر شاہ سوری پر واقع ہے۔ ان کھنڈرات کا رقبہ سوا سو ایکڑ ہے اور سطح سمندر سے یہ تقریباً 590 فٹ بلند ہیں۔ لمبائی کے رخ یہ تقریباً ایک کوس کے فاصلے پر پھیلے ہوئے ہیں۔ ہڑپہ کے قدیم آثار کے قریب اس کے کھنڈرات سے برآمد شدہ آثار سے ملنے والے نوادرات رکھے گئے ہیں۔

## وجہ تسمیہ

ہڑپہ قدیم زمانے میں عروس البلاد تھا۔ اسے ہڑپہ کیوں کہا جاتا ہے؟ اس کے بارے میں مختلف ماہرین کی مختلف آراء ہیں۔

ایس ایم ویلر قدیم کتاب رگ وید کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ اس کا پرانا نام ہری یوپا تھا جو بعد میں بگڑ کر ہڑپہ بن گیا اور آج کل یہی نام معروف ہے۔ بعض ماہرین کے نزدیک ہڑپہ پنجابی لفظ ہڑپ سے نکلا ہے جس کے معنی کھا جانا یا نگل جانا ہیں۔ چونکہ اس شہر پر بار بار تباہی آئی اور بار بار غرق ہوا تو مقامی لوگوں نے اسے غرق شدہ شہر کہنا شروع کر دیا جو بعد میں ہڑپہ بن گیا۔ ایک اور بات قرین قیاس ہے کہ یہاں ہڑ یعنی سیلاب کثرت سے آتے تھے اس لئے مقامی لوگوں نے اسے ہڑ یعنی "سیلاب" اور پا یعنی "نیچے ڈھلنا" ہڑپہ کہنا شروع کر دیا لیکن یہ تصور زیادہ قابل قبول نہیں۔ اس بارے میں جب ہم نے یہاں قریبی دربار "بابا نور شاہ ولی اللہ" کے مجاور قادر بخش سے پوچھا تو اس نے بتایا کہ یہ شہر تین دفعہ تباہ ہوا ہر دفعہ اس کا نام بدلا گیا پہلے یہ ہری روپا تھا پھر ہربالی

بنا اور آخر ہرپال سے ہرپا بنا پھر لوگوں نے اسے ہڑپہ کہنا شروع کر دیا۔

## تباہی کی وجوہات

ہڑپہ جو اپنے اوج کمال کو چھو رہا تھا جہاں قدرت کی ہر نعمت میسر تھی۔ لوگ امن کی زندگی بسر کر رہے تھے شہر خوشحال میں کیونکر بدلا؟ کون سے محرک و اسباب تھے جو اس کی تباہی کا موجب بنے؟ جب کہ ہر طرح کی ترقی اپنے عروج پر تھی۔ ماہرین آثار قدیمہ کی آراء حسب ذیل ہیں۔

ا۔ ہڑپہ کے تجارت پیشہ لوگوں کو وسطی ایشیاء سے آنے والے جنگجوؤں اور وحشی آریاؤں نے تباہ کیا۔

۲۔ بعض مورخین کے نزدیک اور ماہرین آثار قدیمہ کی رائے میں یہ لوگ وبائی امراض اور سیلابوں اور دیگر موسمی اثرات سے تباہ و برباد ہوتے رہے۔

۳۔ ہڑپہ کے لوگ دریا کے کنارے آباد تھے اور ضروریات زندگی کا زیادہ تر انحصار دریا پر کرتے تھے۔ لیکن جب دریا نے اپنا رخ بدل لیا تو ان تجارت پیشہ لوگوں کو زوال آنا شروع ہو گیا اور یہ تباہ ہو گئے۔

۴۔ ۲۳ سال کی تحقیق کے بعد جوناتھن مارک نے یہ رائے دی ہے۔

"ریسرچ سے اس بات کا ثبوت نہیں ملتا کہ اس خطہ میں آریاؤں نے حملہ کر کے دراوڑوں کو برصغیر کے جنوبی علاقے کی طرف دھکیل دیا تھا۔ جیسا کہ عام طور پر سمجھا جاتا ہے۔ بلکہ وادی سندھ میں ہمیشہ ہی اس کے اصلی باشندوں کی حکومت رہی ہے۔ ان لوگوں نے دیگر تہذیبوں کے مقابلے میں زیادہ ترقی کر لی تھی۔ آج بھی جو لوگ ہڑپہ میں موجود ہیں ان کا تعلق کسی نہ کسی شکل میں قدیم ہڑپہ سے ضرور ملتا ہے۔ ہڑپہ میں نکاسی آب کا بھرپور انتظام تھا۔ مصر، عراق اور چین کی قدیم تہذیبوں کے مقابلے میں یہ تہذیب زیادہ ترقی یافتہ تھی۔ یہاں تجارت اور ناپ تول کے پیمانے مقرر تھے یہ رائے بھی درست نہیں کہ یہاں فوجی قوت تہذیب و تمدن کی بقا کی ضامن تھی۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اس تہذیب کے سیاسی، اقتصادی اور ثقافتی محرکات اتنے مضبوط اور مستحکم تھے کہ انہوں نے اسے زوال نہ آنے دیا۔"

(خبرو نظر صفحہ 6)

انہوں نے مزید کہا 9000 قبل مسیح سے اس علاقے کی آب و ہوا میں کوئی انقلابی تبدیلی نہیں آئی البتہ دریاؤں کے کٹاؤ اور بہاؤ میں تبدیلیاں آتی رہی ہیں۔ جس سے آبادیاں ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہوتی رہیں ہیں لہٰذا عین ممکن ہے کہ دریا کے دور چلے جانے کی وجہ سے مکین یہ علاقہ خالی چھوڑ گئے ہوں اور یہ رفتہ رفتہ تباہ ہو گئی۔

## عجائب گھر

ہڑپہ کے آثار کو ضائع ہونے سے بچانے کیلئے ایک قریبی عجائب گھر میں رکھا گیا ہے۔ یہ عجائب گھر چھوٹا مگر پرکشش اور زائرین کو متاثر کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ اس عجائب گھر میں صرف ایک ہی بڑی گیلری ہے جس میں شرقی اور غربی دیواروں کے ساتھ 20 شوکیس آثار قدیمہ سے ملنے والے نوادرات سے سجے ہوئے ہیں۔ عجائب گھر میں ہڑپہ کے علاوہ وادی سون (ضلع چکوال) سکھر، کوٹ ڈیجی خان ڈیرہ غازیخان اور موہنجوڈارو (لاڑکانہ) سے ملنے والے آثار قدیمہ سے ملنے نوادرات بھی نمائش کیلئے رکھے گئے ہیں تاہم طوالت سے بچنے کی خاطر صرف ہڑپہ سے ملنے والے آثار کے بارے میں بات کروں گا۔

ہڑپہ کے آثار دیکھنے سے انسان جس چیز سے سب سے زیادہ متاثر ہوتا ہے وہ ان لوگوں کے مکانات جو صرف پکی اینٹوں سے بنائے گئے ہیں جب کہ باقی تہذیبوں میں مکانات گارے، مٹی، پتھر اور پکی اینٹوں سے بنائے گئے ہیں۔

## انسانی ڈھانچے

عجائب گھر میں ہڑپہ سے کھدائی سے ملے ہوئی دو انسانی ڈھانچے بھی رکھے ہیں ان میں سے ایک ڈھانچہ مرد کا اور ڈھانچہ عورت کا ہے۔ عورت نے مٹی کی چوڑیاں پہن رکھی ہیں نیز ڈھانچے کے ساتھ مختلف قسم کے بیس بائیس برتن رکھے ہوئے ملے ہیں۔ مرد کا ڈھانچہ عام لکڑی کے تابوت میں اور عورت کا ڈھانچہ دیوار کی لکڑی کے صندوق میں بند ملا ہے۔

## زیورات

عجائب گھر میں ہڑپہ کے آثار سے برآمد ہونے والے ہڑپائی عورتوں کے زیورات بھی ہیں۔ ان زیورات کی تاریخ تین ہزار قبل مسیح بتائی جاتی ہے۔ تین ہزار قبل مسیح بھی یہ عورتیں اپنے آپ کو سونے' چاندی' قیمتی پتھروں' تانبے' کانسی' سیپ اور مٹی کے بنے زیورات سے خود کو آراستہ کرتی تھیں۔ ہار' جھومر' نتھ' بازوبند' ٹکہ' پٹی بند' بندے' بازو کی چوڑیاں اور انگوٹھیوں کے متعدد نمونے ملے ہیں۔ مرد اور عورتیں دونوں زیورات پہننے کے شوقین تھے۔ لیکن ہار سنگھار کے زیورات مثلاً بندے' لونگ' کوکے' نتھ اور سر کے زیورات صرف عورتوں کیلئے مخصوص تھے۔ علاوہ ازیں یہاں سے چھوٹے چھوٹے منکوں کے ملنے کا پتہ چلتا ہے کہ یہ عورتیں گلے میں منکوں کے ہار بھی پہنا کرتی تھیں۔ پتھر کے منکوں سے انکی نفیس صناعی ٹپکتی ہے۔

## تانبے اور کانسی کی اشیاء

ہڑپہ کی باقیات سے کانسی اور تانبے کی بہت سی اشیاء بھی ملی ہیں جو ان کی ظروف سازی اور فن حرب پر دال ہیں۔ تانبے کے برتنوں میں پیالیاں' تھالیاں' دیگچیاں اور رکابیاں وغیرہ شامل ہیں۔ سامان حرب میں تانبے کے کلہاڑے' نیزے' بھالے' مچھلیاں پکڑنے کی کنڈیاں' چاقو اور چھریاں قابل ذکر ہیں۔

## سیپ اور گھونگے کی اشیاء

ہڑپہ کے لوگ صاحب ذوق جمال تھے اور سیپ' گھونگے اور ہاتھی دانت کو کثرت سے استعمال میں لایا کرتے تھے۔ کھدائیوں میں گھونگے سے بنے ہوئے پیالے' گیندیں' کھیل کے مہروں اور طشتریوں کے علاوہ ہاتھی دانت اور سیپ کے زیورات کافی تعداد میں برآمد ہوئے ہیں۔ ان اشیاء پر مختلف قسم کے نقش و نگار بنائے گئے ہیں۔ جن میں ضرب کے نشانات' چاند' آنکھ' دل کی تصاویر اور مختلف پتیوں کے ڈیزائن ہیں۔ یہ ڈیزائن بڑی خوبصورتی سے کندہ کئے گئے ہیں۔ سیپ اور گھونگے کی اشیاء میں چوڑیاں' کنگھیاں اور بعض نفیس تراشے ہوئے زیورات کے علاوہ گھریلو آرائش سامان بھی ملا ہے۔ ہاتھی دانت اور ہڈی سے بنی ہوئی اشیاء بھی فنی مہارت کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔

## فن مجسمہ سازی

ہڑپہ کے آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت فن مجسمہ سازی اپنے اوج کمال پر تھا۔ مجسمہ ساز بڑے ماہر اور بلند پایہ فنکار تھے۔ عجائب گھر میں رکھی گئی مٹی کی مورتیاں جو زنانہ ہیں گلے میں منکوں کا ہار اور کمر میں منکوں سے لدی چوڑی پیٹیاں لپٹے ہوئے ہیں اس سے اندازہ کیا گیا ہے کہ غالباً وہ لوگ ان مورتیوں کو مقدس دیویوں کی حیثیت سے پوجتے تھے۔ ان مورتیوں کے بالوں کی آرائش اور ہاروں کی زیبائش سے پتہ چلتا ہے کہ آج سے پانچ ہزار سال قبل بھی ہڑپہ کی عورتوں کے بناؤ سنگھار کا معیار کافی بلند تھا۔

ہڑپہ سے ملنے والے دو مجسمے جن میں ایک "انسان کا دھڑ" اور دوسرا مجسمہ ایک ناچتے ہوئے مرد کا آدھا مجسمہ ہے۔ یہ دونوں مجسمے فن سنگ تراشی اور مجسمہ سازی کا اعلیٰ نمونہ ہیں۔ ان دونوں میں انسانی جسم کی بناوٹ اور جسم کے ایک ایک حصہ کو پوری طرح واضح کیا

گیا ہے۔

## مہریں

ہڑپہ کے آثار سے ان تمام دریافت شدہ اشیاء میں سے سب سے زیادہ اہمیت کی حامل مہریں ہیں جو اکثر مربع نماء گول اور مستطیل شکل کی ہیں ان کا سائز آدھ انچ سے لیکر اڑھائی انچ تک ہے۔ اور ان پر کسی نہ کسی جانور کی تصویر اور تصویری تحریریں بھی کندہ ہیں۔ جو اب تک پڑھی نہیں جاسکیں۔ ہر ایک مہر کی پشت پر سوراخ دار چھوٹی سے گھنڈی ہے جس سے دھاگہ باسانی گزر جاتا ہے۔ زیادہ تر مہریں نرم پتھر کی ہیں اور بعض پر مسالے کے ساتھ لیپ کیا گیا ہے۔ ان مہروں پر برہم بیل، ہاتھی، گھوڑے، گینڈے، شیر، خرگوش، عقاب اور مگرمچھ کی تصاویر بنی ہوئی ہیں۔ ہر ایک جانور کے آگے ایک کھرلی نما چیز بنائی گئی ہے یہ کیا ہے؟ اس کے بارے میں علم نہیں۔ اسکے علاوہ مہروں پر مختلف درختوں کی شکلیں بھی بنائی گئی ہیں۔ بعض پر انسانی تصاویر بھی بنائی گئی ہیں۔

## مٹی کے برتن

ہڑپہ کی باقیات سے مٹی کے برتن سب سے زیادہ برآمد ہوئے ہیں۔ مٹی کے ان برتنوں کو بھی عجائب گھر میں رکھا گیا ہے۔ ان برتنوں میں اناج سٹور کرنے کیلئے بڑے بڑے مٹکے بھی ہیں اور عام روزمرہ استعمال کے برتن بھی ہیں۔ اس کے علاوہ سنگھار کی چھوٹی چھوٹی چیزیں رکھنے کیلئے مٹی کے چھوٹے چھوٹے برتن بناتے تھے۔ یہ تمام برتن چاک کی مدد سے بنائے گئے ہیں۔ ان تمام برتنوں کا رنگ سرخ ہے اور بعض برتنوں پر گہرے سرخ رنگ کی دھاریاں بھی ہیں نیز ان پر سیاہ رنگ کی دھاری دار بیلیں بھی بنائی گئی ہیں۔ بعض برتنوں پر انسانی، حیوانی شکلیں، درختوں کے پتے اور جیومیٹریکل ڈیزائن وغیرہ بنائے گئے ہیں۔ سادہ قسم کے برتنوں میں پانی کے جگ، ڈھکنے، **انگیٹھیاں،** پیالے، طشتریاں، چھوٹے اور بڑے مرتبان، صراحیاں، آبخورے، گلاس، ہانڈیاں، بوتلیں اور پلیٹیں وغیرہ شامل ہیں۔

## پتھر کے باٹ

ہڑپہ کے لوگ اعشاری نظام سے واقف تھے۔ اور اسے استعمال کرنا جانتے تھے۔ ان کے ہاں سے ملنے والے باٹ اس بات پر دلیل ہیں کہ وہ کتنے دانشمند اور باشعور تھے۔ ان باٹوں سے وزن کرنے کے ایک باقاعدہ اصول کا انکشاف ہوتا ہے جو اجتماعی طور پر پوری وادی سندھ میں رائج تھا۔ ان باٹوں کی شکلیں مکعب نما ہیں جن میں سے بعض کا رنگ سلیٹی اور بعض کا رنگ بھورا ہے۔ مگر بعض سفید پتھر اور بعض سفید پتھر سے بھی بنائے گئے ہیں۔ خاص بات یہ ہے کہ تمام باٹ ایک منفرد اصول کے ماتحت مرتب کئے گئے ہیں جن کا وزن بالترتیب چھوٹے باٹوں کا دوگنا ہوتا جاتا ہے۔ مثلاً ایک گرام سے دو گرام، دو گرام سے چار گرام، چار گرام سے آٹھ گرام وغیرہ۔ ناپ تول کے اصول میں سولہ کے عدد کا تناسب برقرار رکھا گیا ہے۔ بڑے باٹ اصول اعشاریہ کے تحت بنائے گئے تھے جو اب بھی رائج ہے۔

## بچوں کے کھلونے

بچوں کے کھلونے مٹی کے بنے ہوئے ملے ہیں۔ ان کی اشکال عام طور پر انسانوں اور حیوانوں سے مشابہہ ہیں۔ یہ بات ظاہر کرتی ہے کہ وہ کھیلوں کے شوقین تھے۔ اس زمانہ میں گلی ڈنڈا، شطرنج، آپوٹاپو، بارہ گوٹی اور پٹھو گرم عام بچوں کے کھیل تھے۔ یاد رہے کہ یہ تمام کھیل آج بھی پنجاب میں مقبول عام ہیں۔ علاوہ ازیں کثیر تعداد میں مٹی، پتھر، مسالے، سنگ مرمر اور ہاتھی دانت کے بنے ہوئے مہرے بھی ملے ہیں جو اس بات کو آشکار کرتے ہیں کہ بڑے لوگ بھی کھیلوں میں باقاعدہ حصہ لیا کرتے تھے۔ بچوں کے کھیلنے کیلئے مٹی سے بنی ہوئی پہیوں والی گاڑیاں مٹی کی سیٹی والی چڑیاں، چھوٹے چھوٹے مٹی کے بنے ہوئے

کتے، گینڈے، طوطا، کبوتر، چڑیا، الو، مرغ، بطخ، گیندیں، جھنجھنے اور دوسری کھیلنے والی اشیاء بھی دستیاب ہوئی ہیں۔ جو سب عجائب گھر میں محفوظ ہیں۔

## قبرستانوں سے ملنے والی اشیاء

ہڑپہ کے کھنڈرات سے کھدائی کے دوران دو قبرستانوں کا بھی انکشاف ہوا ہے۔ یہاں سے ملنے والی اشیاء کو میوزم میں رکھا گیا ہے۔ ہڑپہ کے لوگ اپنے مردوں کو دو طور سے دفن کرتے تھے۔

ا۔ عام طور پر قبریں بنا کر مردے دفن کئے جاتے جیسے کہ مسلمان کرتے ہیں۔

۲۔ مردے کو باہر جنگل میں رکھ دیا جاتا۔ جب جانور اور پرندے اس کا سارا گوشت نوچ کر کھا جاتے تو ہڈیوں کو مٹی کے پختہ برتنوں میں رکھ کر دفن کر دیا جاتا۔

تدفینی برتنوں میں بعض برتن تو سادہ ہیں جب کہ دیگر اس کے بالکل چڑیاں، مور، بیل، مچھلیاں، پودے اور دوسرے نقش و نگار رکھتے ہیں۔

سوال یہ ہے مردوں کو دو طرح سے کیوں دفن کیا جاتا تھا؟

امریکی ماہر آثار قدیمہ جونا تھن مارک کہتے ہیں یہاں مختلف مذاہب کے لوگ مختلف انداز سے زندگی بسر کرتے تھے۔ ان کے رسم و رواج اور فیشن کے طریقے جداگانہ تھے لہٰذا وہ اپنے اپنے انداز میں تدفین کرتے۔ (رسالہ خبر و نظر صفحہ ۶)

## قبرستان آر 37

میوزیم سے آثار کی طرف قدم بڑھائیں تو سب سے پہلے قبرستان آر37 آپ کا استقبال کرتا ہے۔ یہ قبرستان قدیم ہڑپائی لوگوں کیلئے مخصوص تھا۔ اس کا زمانہ ۲۵۰۰ سے ۱۸۰۰ ق م بتایا جاتا ہے۔ اس قبرستان کی متعدد بار کھدائی ہوئی چنانچہ اب تک کم از کم پانچ دفعہ اس کی کھدائی ہوئی ہے۔ کھدائی کے ضمن میں ایک بات یاد رہے کہ کھدائی آج کل عام طور پر ستمبر سے لیکر اپریل کے آخر تک کی جاتی ہے اس کے بعد سارا سال کھدائی بند رہتی ہے۔ کھدائی کرنے والے کے لئے کم از کم گزیٹڈ آفیسر ہونا ضروری ہے۔ عام شخص کھدائی کرنے کا مجاز نہیں۔ کھدائی کر کے مٹی کو اس کے رنگ کے حساب سے مختلف ڈھیروں میں الگ الگ رکھا جاتا ہے۔ پھر اس مٹی کو بڑے بڑے چھانوں کی مدد سے چھان کر اس میں سے چھوٹے چھوٹے آثار بھی الگ کئے جاتے ہیں پھر اس مٹی کو لیبارٹریز میں بھیجا جاتا ہے جہاں اس میں موجود کاربن کی وجہ سے اس کی قدامت کا اندازہ لگایا جاتا ہے۔ آج کل کھدائی ایک امریکی کمپنی کر رہی ہے۔

یہ قبرستان محدود علاقے میں ایک ڈھلوان ٹیلے پر شرقاً غرباً پھیلا ہوا ہے اور قبریں کئی منزلہ ہیں۔ ہڑپہ کے لوگ اپنے مردوں کے منہ مغرب کی طرف اور ٹانگیں شمال کو اور سر جنوب کی طرف رکھتے تھے۔ وہ مردوں کے آرام و آسائش کے لئے روز مرہ کی اشیائے ضرورت اور آرائش و زیبائش کا سامان ساتھ روانہ کر دیتے۔ عورتوں کی قبروں سے تانبے کے آئینے، زیورات، چوڑیاں، منکوں کے ہار اور سیپ کے بنے ہوئے زیورات ملے ہیں۔ مردے کے ساتھ وہ لوگ اپنے مذہبی عقیدے کی بناء پر وہ لوگ کھانے پینے کا سامان بھی ساتھ رکھتے تھے۔ یہ سامان خورد و نوش سے پر برتن قبر کی شمالی یا جنوبی سرے پر رکھے جاتے تھے۔ بعض مردوں کی تدفین لکڑی کے بنے ہوئے صندوقوں میں کی جاتی تھی۔ جیسا کہ عجائب گھر میں ایک مردہ دیوار کے صندوق میں رکھا گیا ہے۔

## قبرستان ایچ H

یہ قبرستان R37 کے ساتھ شمال میں واقع ہے اس کی کھدائی

مادھو سروپ وائس صاحب نے کی اور ایک وسیع و عریض قبرستان کا انکشاف کیا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ قبرستان ان لوگوں کا ہے جو ہڑپہ کے باشندوں پر حملہ آور ہوئے اور انہیں تباہ کیا۔ پھر خود یہاں آباد ہو گئے تھے۔ یہ حملہ آور لوگ آریہ نسل سے تعلق رکھتے تھے ان کی تاریخ آباد کاری ۱۷۰۰ ق م کے بعد کی ہے۔ یہ قبرستان دو تہوں پر مشتمل ہے پہلی یا نچلی تہہ میں مردوں کو شرقاً غرباً دفن کیا گیا ہے جب کہ اوپر کی تہہ میں مردوں کی ہڈیوں کو جمع کر کے بڑے بڑے مٹکوں میں بھر کر دفن کیا گیا ہے۔ ان مٹکوں کے ساتھ مردوں کے لئے نذرانے بھی رکھے جاتے تھے۔

## ٹیلہ اے۔بی

یہ ایک بڑا ٹیلہ ہے جسے A-B کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ اس کی کھدائی سے یہاں کے لوگوں کا طرز تعمیر ابھر کر سامنے آیا ہے۔ یہ ایک رہائشی علاقہ تھا۔ اس میں ایک بڑی دیوار اور چھوٹے چھوٹے کمروں کے علاوہ ایک دوہرے کنوئیں کے آثار ملتے ہیں۔ دوہرا کنواں بھی قابل دید ہے۔ یہ قدیم باشندوں کو میٹھا پانی مہیا کرتا تھا۔ ماہرین کا خیال ہے کہ اس کے دوہرے ہونے کا راز یہ ہے کہ ایک کنواں جب مٹی سے اٹ گیا ہو گا تو ان لوگوں نے اس کے اندر ہی ایک اور کنواں کھود لیا ہو گا تاکہ اس کی افادیت برقرار رہے۔ اس بڑے کنوئیں کے گرد گرد چھوٹے چھوٹے کمرے بنائے گئے ہیں جو غالباً غسل خانے ہوں گے۔

ان آثار سے تھوڑا سا شمال کی طرف باقاعدہ منصوبہ بندی کی تحت بنائے گئے مکانات کے نشانات ملتے ہیں جسے قلعہ معلی کہتے ہیں اس علاقے کے فن تعمیر سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہاں امیر طبقہ رہتا تھا اور انہوں نے حفظان صحت کے اصولوں کے مطابق باقاعدہ زمین دوز پختہ نالیاں اور سیوریج سسٹم بنائے ہوئے تھے۔ یہ علاقہ گنجان آباد تھا۔

چھتیں متوازی تھیں۔ چھتیں لکڑی، مٹی اور سرکنڈوں کو استعمال کر کے بنائی گئی تھیں۔ ان عمارتوں کی دیواریں بہت مضبوط تھیں جن کی موٹائی پانچ فٹ تک ہے۔ اوسطاً یہ مکان 35X35 فٹ بمعہ صحن تھے۔ بعض مکان دو منزلہ بنائے جانے کے آثار بھی ملتے ہیں۔

## مزدوروں کے گھر اور رہائشی چبوترے

عہد قدیم میں جب یہ شہر آباد تھا تو یہاں کاروبار زندگی اپنے عروج پر تھا۔ یہاں 20 گول چبوترے معین فاصلے پر بنے ہوئے ہیں اور ان کے ساتھ ایک چھوٹا کنواں بھی ہے جو کسی وقت کاریگروں کے زیر استعمال رہا ہو گا۔ چبوترے پانچ قطاروں میں پختہ اینٹوں سے بنائے گئے ہیں ان میں ہر ایک کا قطر 10.9 فٹ سے لیکر 11 فٹ تک ہے۔ ان چبوتروں کے بارے میں ماہرین آثار قدیمہ کا خیال ہے کہ یہاں بیٹھ کر مزدور لوہا اور پیتل کوٹ کر اوزار بنایا کرتے تھے۔ ایک دوسری رائے یہ ہے کہ چونکہ یہ چبوترے غلہ منڈی کے ساتھ ہیں ممکن ہے مزدور ان میں غلہ ڈال کر صاف کرتے ہوں اور یہ چبوترے بطور اوکھلی استعمال کئے جاتے ہوں۔

ان چبوتروں کے ساتھ ساتھ چھوٹے چھوٹے مکانوں کی دو طرفہ قطار ہے۔ قیاس کیا جاتا ہے کہ یہ ان مزدوروں کے رہائشی گھر تھے۔ مزدوروں کے یہ کوارٹر دو لمبی قطاروں کی صورت میں ہیں۔ شمالی قطار میں سات اور جنوبی قطار میں آٹھ کمرے ہیں ان کوارٹرز کے درمیان ایک تین سے چار فٹ کھلی گلی ہے۔ ہر کوارٹر کی لمبائی 56X25 فٹ ہے۔ ہر مزدور کا گھر تین کمروں اور ایک صحن پر مشتمل تھا۔

## بھٹی

مزدوروں کی رہائشی بستی کے مغرب میں ناشپاتی کی شکل کی پکی اینٹوں کی ایک بھٹی دریافت ہوئی ہے جس کی لمبائی تین فٹ سے چھ

فٹ ہے۔ اس بھٹی میں دھاتوں کو پگھلا کر مختلف اوزار بنائے جاتے تھے۔ اس بھٹی میں گائے کے گوبر کے اوپلے بطور ایندھن استعمال کرنے کے شواہد ملے ہیں۔

## اناج گھر یا غلہ گودام

دریافت شدہ آثار میں سب سے زیادہ اہمیت کی حامل اور دلچسپ عمارت اناج گھر ہے۔ یہ اناج گھر شہر کے شمال مغربی حصہ میں دریائے راوی کی پرانی گزر گاہ کے جنوبی کنارے پر واقع تھا۔ یہ وسیع و عریض عمارت جسے گودام یا غلہ گھر کا نام دیا گیا ہے دو حصوں پر مشتمل تھی۔ دونوں حصے ایک دوسرے کے بالمقابل ہیں اور ہر حصے کی لمبائی چوڑائی 20x50 فٹ ہے۔ جب کہ ہر حصہ چھ کمروں پر مشتمل ہے۔ ان دونوں حصوں کے عین بیچوں بیچ تقریباً پانچ فٹ چوڑی گلی شمالاً جنوباً گزرتی ہے۔ آج سے پانچ ہزار سال قبل یہ اناج گھر وادی کے کنارے کے بالکل ساتھ تھا۔ مگر آج دریا 7 کلو میٹر دور سے گزرتا ہے۔ اردگرد کے کسان کشتیوں میں لاد کر اپنا سامان، اناج یہاں اناج گھر میں لاتے اور یہاں سے دوسرے شہروں کو لے جاتے تھے۔ اناج گھر کی یہ وسیع و عریض عمارت اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ لوگ اس جگہ اپنا اناج ذخیرہ کیا کرتے تھے۔ اور یہیں سے ہڑپہ شہر کی آبادی کو اناج سپلائی ہوتا تھا۔

## شہر پناہ

شہر کے دفاع کی خاطر چاروں طرف گرداگرد ایک مضبوط خوبصورت اور پائیدار فصیل بھی بنائی گئی تھی۔ یہ فصیل آثار میں ٹیلہ اے۔ بی کے مغربی سمت ایک گہری خندق کھود کر دکھائی گئی ہے۔ اس کی موٹائی 30 فٹ ہے۔ اس کا انکشاف 1946ء میں مارٹیمر ویلر کی کھدائیوں کے دوران ہوا۔ یہ شہر پناہ کچی اینٹوں سے بنائی گئی تھی اور اس کا اکثر حصہ ضائع ہو چکا ہے۔

یہ جو پرانی تہذیبیں اور آثارات منکشف ہوتے ہیں تو ایک دنیا ورطہ حیرت میں ڈوب جاتی ہے۔ بڑے بڑے سائنسدان ان آثار کو دیکھ کر دنگ رہ جاتے ہیں لیکن ہمارے لیے یہ دریافتیں زیادہ حیرت کا باعث نہیں ہیں کیونکہ قرآن کریم نے 14 سو سال قبل ہی بتادیا تھا کہ ایک وقت آئے گا جب زمین اپنے راز اگل دے گی۔ یومئذ تحدث اخبارھا (الزلزال) نیز قرآن کریم بتاتا ہے کہ دنیا میں بہت ترقی یافتہ قومیں آباد تھیں۔ اب جن کا نام و نشان تک نہیں چنانچہ سورہ فجر میں فرماتا ہے۔

"کیا تجھے معلوم ہے تیرے رب نے عاد سے (کیا معاملہ) کیا۔ یعنی (عاد) ارم سے جو بڑی بڑی عمارتوں والے تھے۔ وہ لوگ جن کی مانند کوئی قوم ان ملکوں میں پیدا ہی نہیں کی گئی تھی۔ اور (کیا) ثمود (کے متعلق بھی تجھے معلومات ہیں) جو وادیوں میں کھود کر (اپنے مکان) بناتے تھے اور فرعون (کے متعلق بھی تجھے کچھ پتہ ہے) جو پہاڑوں کا مالک تھا۔ وہ (پہاڑ) جنہوں نے شہروں میں سخت فساد کر رکھا تھا۔ اور فساد میں بڑھتے ہی جاتے تھے۔ جس پر تیرے رب نے ان پر عذاب کا کوڑا برسایا تیرا رب یقیناً گھات میں (لگا ہوا) ہے۔"

نیز اصحاب کہف، قوم ثمود، اصحاب الایکہ، قوم تبع، اصحاب الرس، اصحاب الفیل وغیرہ گزشتہ اقوام دنیا کی دنیاوی ترقی اور قوموں کے عروج و زوال کا ذکر کر کے عقلمندوں کو عبرت حاصل کرنے کو کہا گیا ہے۔ چنانچہ جب بھی آثار قدیمہ دریافت ہوتے ہیں تو ایک صاحب ایمان و عرفان ان کی دریافت سے خوش ہوتا ہے کیونکہ یہ آثار قرآن مجید کی 14 سو سال پہلے بتائی ہوئی باتوں کو حق الیقین تک پہنچاتے ہیں۔ یہی فرق ہے ایک صاحب ایمان و عرفان اور دنیا دار ماہر آثار قدیمہ میں۔

نوٹ:۔ اس مضمون کی تیاری میں کیوریٹر ہڑپہ میوزیم محمد بہادر خان کی کتاب "آثار ہڑپہ" سے مدد لی گئی ہے۔

## پہلا شاعر مَیں ہُوا اور اس کے بعد ہُوں مَیں



مِرے خدا مجھے وہ تابِ نَے نوائی دے
مَیں چُپ رہوں بھی تو نغمہ مِرا سُنائی دے

گدائے کُوئے سُخن اَور تجھ سے کیا مانگے
یہی کہ مملکتِ شِعر کی خُدائی دے

نمو پذیر ہے یہ شعلۂ نوا، تو اسے
ہر آنے والے زمانے کی پیشوائی دے
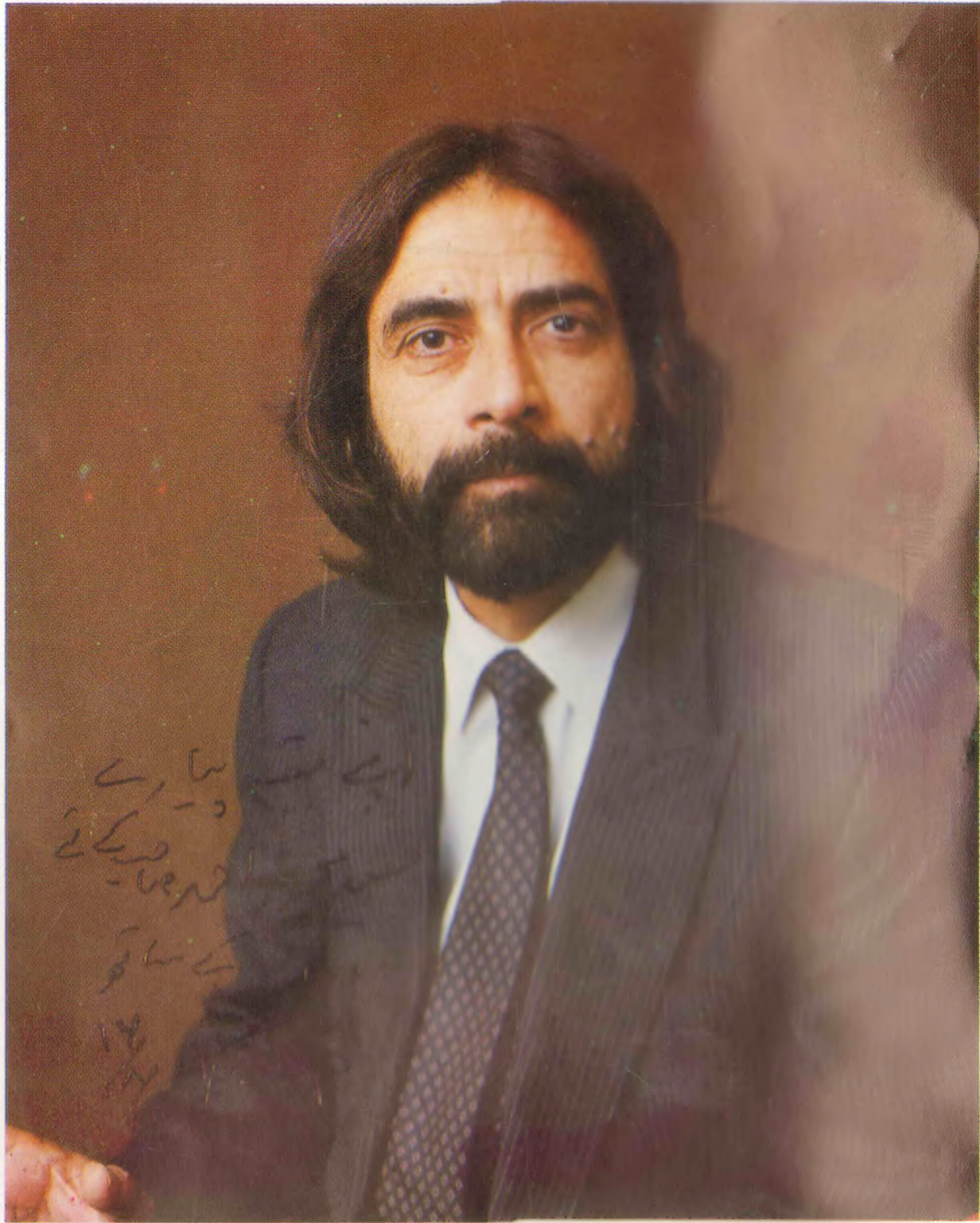
عبید اللہ علیم صاحب ــــ بین الاقوامی شہرت کے حامل نامور احمدی شاعر

Monthly **Khalid** Rabwah

Digitized By Khilafat Library Rabwah

**Regd. No. CPL-139** *Editor. Sayyed Mubashir Ahmad Ayaz* **July 1998**